اسلامی
تاریخی
کہانیاں
مکتبہ دینیات، آصف علی روڈ، نئی دہلی

اسلامی تاریخی کہانیاں

یعنی

عبرت انگیز و سبق آموز حقائق کا

ایک بے حد دلچسپ ذخیرہ

مرتبہ

عبدالمومن الفاروقی

ناشر

مکتبہ دینیات آصف علی روڈ - نئی دہلی

قیمت دو روپے

بار اوّل

قیمت

دو روپے

باہتمام انور علی مہتمم مکتبہ دینیات
آصف علی روڈ نئی دہلی

مطبوعہ گلشن لیتھو پریس دہلی

پیش لفظ

انسانیت اور تاریخ قدرت کے دو ایسے اہم اور توام تخلیقی کارنامے ہیں۔ جن کی سرحدیں کوئی ظاہری ربط و علاقہ نہ رکھنے کے باوجود اتنی قریب قریب اور ملی جلی دکھائی دیتی ہیں کہ اگر دونوں کو ایک نہ سہی تو ایک جان دو قالب سے ضرور تشبیہہ دی جا سکتی ہے۔

غالباً اسی فطری وحدت اور پیدائشی لگاؤ کی بنا پر آدمی بمقابلہ دیگر علوم کے تاریخ سے دلچسپی بھی زیادہ لیتا ہے۔ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک زندگی کے ہر گوشے اور ہر منزل میں اس کی دلچسپیوں کے گہرے نقوش چولی اور دامن کی طرح ایک دوسرے سے وابستہ نظر آتے ہیں۔

میرے خیال میں ظاہر کا یہ عظیم ترین فرق دونوں کی بے پناہ وسعت اور ہمہ گیر پھیلاؤ کی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے ورنہ حقیقت میں انسان نے زمانۂ ماضی میں کائنات کے اندر جو جو اقدامات کئے، اور کام انجام دیئے ہیں اگر تاریخ اور مورخ انہیں زمانۂ حال کے آئینے میں قلمبند و مصور کر کے اچھائی اور برائی کے تجزیئے کے لئے سامنے لا کر نہ رکھ دے۔ تو دنیا کا مستقبل کسی طرح بن سنور ہی نہیں سکتا۔

آج دنیا ترقی کے غیر محدود میدانوں میں جس تیز گامی کے ساتھ آگے بڑھتی جارہی ہے۔ وہ ماضی کے اسی اصلاحی تصور کا حسین و دلکش نتیجہ ہے چنانچہ مورخین و مصلحین نے بھی تاریخ کے اس احسان کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ ہر جگہ اور ہر موقع پر وہ اعتراف کرتے آئے ہیں کہ انسانیت بغیر تاریخ کی اس اصلاح کے کامل و مکمل ہونا تو دور کی بات ہے کبھی نشو و نما بھی نہیں پا سکتی۔

اس سلسلے میں اگر کچھ اقوال بھی نقل کر دیئے جائیں تو وہ بھی معلومات میں ایک اضافے کا باعث ہوں گے۔

بزرگ چمہر ایرانی کا مقولہ ہے:۔

"علم تاریخ صحیح اور درست رائے کا معین و مددگار ہوتا ہے اس لئے کہ متقدمین کے حالات سے متاخرین کو صحیح رائے قائم کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔"

صاحب روضۃ الصفاء کا بیان ہے:۔

"انسان کو حقائق اشیاء کی معرفت عقل و حس کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور محسوسات میں بعض مشاہدات ہیں اور بعض مسموعات .... پس احوال عالم کا معلوم کرنا علم تاریخ پر منحصر ہے۔ جو مسموعات پر مبنی ہے اور غالباً کوئی دوسرا علم اس مقصد کو پورا ہی نہیں کر سکتا۔"

ضیاء الدین برنی لکھتا ہے:۔

انبیاء وخلفاء وسلاطین و بزرگان دین کے حالات معلوم کرنے کا نام تاریخ ہے علم تاریخ کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ رذیلوں اور کم اصلوں کو اس کی طرف رغبت و توجہ بالکل نہیں ہوتی۔ مگر جو لوگ شریف النسل ہوتے ہیں وہ علم تاریخ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ گذرے ہوئے لوگوں کے خیر وشر عدل وظلم، عیب وصواب، طاعت ومعاصی اور فضائل ورذائل کا اس لئے نقل کرنا کہ متاخرین کے لئے موجب عبرت وموعظت ہو تاریخ کہلاتا ہے۔"

تاریخ کی کتابوں سے عقل ودانائی اور تجربہ وفراست میں اضافہ ہوتا ہے اور چونکہ علم وحکمت کے دروازے تاریخ کے مطالعہ کرنے والے پر کھل جاتے ہیں لہذا اس کی عقل وخرد کمال کو پہونچ جاتے ہیں۔"

علامہ نجیب آبادی لکھتے ہیں:۔

انسان فطرتاً علم تاریخ کی طرف مائل پیدا کیا گیا ہے۔ اسی لئے وہ قصص وحکایات کو بھی شوق سے سنتا، اور گذرے ہوئے لوگوں کے حالات معلوم کرنے کی کوشش میں عموماً ہمت اور توجہ سے کام لیتا ہے۔ اگر ہر شخص اپنی گذری ہوئی عمر کے واقعات پر غور وفکر کرکے اپنے مستقبل کے متعلق صحیح راہ عمل اختیار کرسکتا ہے تو گذری ہوئی قوموں کے حالات وواقعات تاریخ کی کتابوں میں مطالعہ کرنے کے بعد موجودہ اقوام بھی اپنے لئے ضرور زیادہ صحیح اور مفید دستور العمل مرتب کرسکتی ہیں تاریخ کا

مطالعہ مآل اندیشی، دانائی، بلند حوصلگی، نیک کاموں کے کرنے کی ہمت منصف مزاجی اور میانہ روی وغیرہ کے صفات حسنہ کو پیدا کرتا اور ترقی دیتا ہے۔"

لالہ لاجپت رائے اپنی کتاب تاریخ ہند میں لکھتے ہیں:۔

"انسان ان ہی معلومات سے آگے ترقی کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ اپنے ملک، اپنی قوم کی تاریخ ہی سے اس کو ان خصوصیتوں کا پتہ مل سکتا ہے جن کے سبب سے وہ دیگر ملکوں اور قوموں کے انسانوں سے تمیز کیا جاتا ہے۔"

مولانا جیراجپوری لکھتے ہیں:۔

"مطالعہ تاریخ سے ہزارہا سال کے واقعات انسان کی نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں اور مختلف طبقوں اور مختلف زبانوں کے لوگوں سے وہ معنوی طور پر ملاقات کرتا ہے، ان کی باتیں سنتا ہے اور ان کے حالات کو دیکھتا ہے لہذا یہ علم انسانی عمر کو علم اور تجربہ کے لحاظ سے بڑھاتا ہے۔"

میں اس سلسلے کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتا۔ اس لئے کہ یہ خود ایک مستقل موضوع اور مستقل مسئلہ ہے۔ اس پر اگر اطمینان سے لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

قصص وحکایات کے ذریعہ سے لوگوں کو پند ونصیحت کرنا اور تاریخ کے صالح لٹریچر کو عبرت وموعظت کی خاطر ایسے خوشگوار طریقوں سے قلمبند کرنا آج کوئی نیا کام نہیں ہے

اس کے نقوش عرصہ سے دنیا میں قائم ہیں۔ مگر مصلحین وقت کی سہولت پسندی اور کاہلی کی وجہ سے ذرا دھندلے پڑ گئے ہیں۔

یاد نہیں پڑتا؟ لیکن تاریخ ہی کی کسی کتاب میں نظر سے گذرا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً سوا تین سو سال پہلے جب سکندر اعظم ہندوستان کو تاخت و تاراج کر کے اپنے ملک کو واپس ہو گیا۔ اور ہندوستانیوں نے ہوش میں آ کر وابشلیم کی قیادت میں اس کے مقرر کردہ حاکم کو مار بھگایا ہے۔ وابشلیم نے ہر قسم کے وعدوں کے بعد بھی ظلم و ستم کا بازار گرم رکھا۔ تو اُسے بھی اس وقت کے ایک مصلح نے جانوروں کی زبان سے شاہان پیشین کے عدل و انصاف کے کچھ قصے ہی لکھ کر بھیجے تھے تاکہ اسے انتباہ ہو اور وہ اپنے رویہ میں تبدیلی پیدا کرلے۔

ان ہی قصوں کو نوشیرواں عادل نے حکیم برزویہ سے فارسی میں ترجمہ کرا کے شائع کیا اور پھر ان ہی فارسی قصوں کو عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے کلیلہ دمنہ کے نام سے عربی کا لباس پہنایا۔

علامہ علاء الدین سکنواری نے اپنی کتاب الاوائل والاواخر میں لکھا ہے کہ عرب میں قصے کہانیوں کا رواج عبید بن عمیر مکی نے ڈالا تھا۔ مگر بعض لوگوں نے اس خصوصی طرز قصہ گوئی کا موجد اسعد بن سریع کو بتایا ہے۔ عبید خلفائے راشدین کے آخری دور میں گذرا ہے اور اسعد بن سریع حضرت معاویہؓ کے زمانے میں۔

میری یہ ناچیز کوشش کوئی من گھڑت افسانہ یا بے حقیقت کہانی نہیں ہے میں نے یہ دماغ سوزی اور عرق ریزی بے شمار معتبر و مستند عربی تاریخوں کو سامنے

رکھ کر کی ہے۔ اور محض اس یقین واعتماد کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں کہ آپ بھی گذری ہوئی شخصیتوں کے بیتے ہوئے اعمال واحوال سے اپنی قیمتی زندگیوں اور احوال کا مقابلہ کریں۔ اگر ان میں کوئی خامی، کمی یا اصلاح کی ضرورت ہو تو سابقین کے ان پر کیف تجربوں اور ولولہ انگیز کارناموں سے فائدہ اٹھائیں۔ ضمناً ایسے لٹریچر سے گذشتہ افراد واشخاص کے مذہب ومسلک کی بھی ایک دلچسپ جھلک نظر آجاوے گی — ع ، زچشم آستیں بردار و گوہر راتماشہ کن

سیہ کار

عبدالمومن الفاروقی غفرلہٗ

سابق ایڈیٹر روزنامہ آفتاب والنجم لکھنؤ و پرنسپل گورنمنٹ

اورنٹیل کالج رام پور

دہلی

۲۱ر دسمبر ۶۵۷

فہرست مضامین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۔ ہزاروں سال پرانی لاش

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رض کے زمانۂ خلافت میں یمن والوں نے لکھ کے بھیجا کہ "یہاں فلاں مقام پر سیلاب فرو ہو جانے کے بعد ایک دروازہ سا نمودار ہو گیا ہے۔ لوگ اسے دفینہ وغیرہ خیال کر رہے ہیں۔ ہم لوگوں نے ابھی تک اسے ہاتھ نہیں لگایا ہے۔ اب آپ جیسا حکم دیجئے ویسا کیا جائے۔"

امیر المومنین نے جواب دیا کہ "پہلے میرا یہ خط جو اسی کے ساتھ ملفوف ہے اس دروازہ کے اندر لیجا کے ڈال دینا، اس کے بعد کھدائی شروع کر دینا۔"

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، کافی محنت کے بعد جب دروازہ الگ ہوا ہے تو سب یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ سامنے ایک تخت بچھا ہے اور اس پر تہہ بہ تہہ کفنوں میں لپٹی ہوئی کسی کی لاش رکھی ہوئی ہے۔ گنے گئے تو اس پر سونے اور چاندی کے کام سے لپے پتے ستر کپڑے پڑے ہوئے تھے اور داہنے ہاتھ پر زمرد کی ایک تختی بھی لٹکی ہوئی تھی جس پر عربی کے دو شعر کندہ تھے جن کا مفہوم یہ تھا۔

"جب بادشاہ یا اس کے وزراء اور ذمہ دار عدل و انصاف کے بجائے چوری

خیانت اور ظلم و رشوت وغیرہ کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں تو پورا ملک بہت جلد تباہ و برباد ہو جاتا ہے ایسے لوگوں کو یقین رکھنا چاہیئے کہ ان کے اوپر بھی کوئی حاکم ہے اور کسی نہ کسی دن اس کے سامنے انھیں بھی جا کر جواب دہی کرنا پڑے گی؛"

اس لاش کے سرہانے سبز رنگ کی ایک تلوار بھی لٹکی ہوئی تھی جس پر لکھا ہوا تھا کہ "یہ تلوار عادؔ بن ارم کی ہے!"

۲، شاہی دستر خوان اور لین دین کا ایک انداز

ہدبہ بن خالد کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عباسی خلیفہ ہارون رشید کے یہاں دستر خوان بڑھ جانے کے بعد یوں ہی اتفاقی طور پر فرش پر گرے ہوئے چند دانے منھ میں اٹھا کر ڈال لیے تو انھیں بڑی حیرت ہوئی پوچھنے لگے "ہدبہ! کیا ابھی تمہارا پیٹ نہیں بھرا تھا؟"

میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث انھیں

ع۵ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا نام عاد تھا۔ اور یہ مع اپنی ساری قوم کے خدا کی نافرمانی اور اپنے نبی کی بغاوت کی بنا پر عبرتناک تباہی کا شکار ہوئی تھی۔ یہ قوم حضرت عیسیٰؑ سے تقریباً دو ہزار سال قبل دنیا میں رہا کرتی تھی۔ ۱۲

سنا دی کہ جو شخص دستر خوان کے گرے ہوئے ذرے اٹھا کر کھا لیتا ہے۔ خدا اس پر کبھی فقر و فاقہ کی مار نہیں دیتا۔"

یہ سنتے ہی امیرالمومنین بے ساختہ ہنس پڑے اور سامنے کھڑے ہوئے خادم سے معلوم کیا بات اشارے سے کہی کہ وہ اس وقت وہاں سے باہر چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک ہزار دینار (سونے کا سکہ تھا) ایک رومال میں باندھ کر میرے حوالے کر گیا۔

۳۔ ایک نابالغ لڑکے کی بادشاہ کو نصیحت

مشہور اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کی (جنہیں قابلیت اور عدل و انصاف کی وجہ سے عمر ثانی بھی کہا جاتا ہے) خلافت تسلیم ہو جانے کے بعد جہاں اور بہت سے ممالک کے وفود مبارکباد دینے آئے تھے۔ حجاز کا وفد خاص طور پر قابل تذکرہ ہے۔

اس وفد کا لیڈر ایک نابالغ لڑکا تھا اور وہی بات بھی کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ اس کی کم سنی کو دیکھ کر امیرالمومنین کی زبان سے نکل گیا۔ "جو سب میں بڑا ہو اُسے سامنے آ کر بات کرنا چاہئے۔"

لڑکا یہ الفاظ سنتے ہی بگڑ گیا۔ کہنے لگا "اگر آپ کا یہ اصول صحیح مان لیا جائے

تو اس پر خود آپ کے یہاں عمل درآمد کیوں نہیں ہوتا، اپنے خاندان میں آپ ہی کیا سب میں بڑے ہیں، جو امیر بن گئے ہیں"!

لڑکے کی اس برمحل گرفت پر امیر المومنین نے شرمندہ ہو کر اپنے الفاظ واپس لے لئے۔ غرض اسی لڑکے نے پھر کھڑے ہو کر عرض کیا۔

"امیر المومنین! ہم لوگ حجاز جیسے مقدس ملک کے رہنے والے ہیں اور اس پر اس خدا کا جس نے آپ جیسا بزرگ ترین امام و امیر ہمیں عنایت کیا ہے۔ ہم جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ امیر المومنین! اس وقت ہم لوگ آپ کی خدمت میں کسی لالچ یا خوف کی وجہ سے نہیں آئے ہیں۔ لالچ کا الزام تو اس لئے نہیں لگ سکتا کہ آپ کی عنایت و توجہ سے ہمیں اپنے ملک ہی میں ہر طرح کا عیش و آرام حاصل ہے۔ اور ڈر کا داغ یوں نہیں لگ سکتا کہ آپ کے خلیفہ بنتے ہی ظلم و جور کا دروازہ ہی سرے سے بند ہو گیا ہے۔ بہر حال اس وقت ہم لوگوں کے حاضر ہونے کا مقصد فقط اظہار شکر گذاری اور مبارکباد ہی دینا ہے اور بس"!

امیر المومنین لڑکے کی اس قابلیت کے ساتھ بے جھجھک گفتگو پر بے حد متاثر ہوئے، بیساختہ بولے،" اچھا اب خاص طور سے کچھ مجھے بھی تو نصیحتیں کرتا جا!

امیر المومنین کا حکم سنتے ہی لڑکا فوراً گھڑا ہو گیا اور کہنے لگا۔

" امیر المومنین! آج کل لوگوں کو عام طور سے خدا کے وسیع حلم اور جی حضوریوں کی، بے جا تعریف و خوشامد سے غرور کی بیماری بہت جلد لگ جاتی ہے۔ میری آپ سے

درخواست ہے کہ کہیں آپ کا قدم نہ اس بلا میں پھنس جائے۔ اور آپ کا شمول بھی ان لوگوں میں ہونے لگے جن کے متعلق خدا نے کہا ہے کہ وہ سن کر ہاں ہاں تو کر دیتے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ وہ سنتے سناتے کچھ نہیں ہیں"۔

یہ جملے سنتے ہی امیر المومنین نے کئی بار اُسے گھور گھور کے دیکھا اور عمر پوچھی تو بتایا گیا کہ ابھی وہ صرف بارہ سال کا ہے۔

۴، ایک لڑکے کو شاہی خراج عقیدت

اموی تاجدار ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں ایک دفعہ عرب کے کسی علاقہ میں ایسا شدید قحط پڑا کہ اس کا سلسلہ کئی سال تک چلا گیا۔ ایک دن کسی ایسے ہی علاقے کا ایک وفد امیر المومنین سے امداد حاصل کرنے کے لئے دمشق آ گیا۔ شاہی کر و فر کو دیکھ کر سب گھبرا رہے تھے کہ اتنے بڑے آدمی سے بات کرے تو کون کرے؟

کہا جاتا ہے کہ اس وفد میں درداس بن حبیب نام کا ایک سولہ سالہ لڑکا بھی آیا تھا جس کی صورت میں خدا جانے کیا جاذبیت تھی کہ خود امیر المومنین کی توجہ اس کی طرف مبذول ہو گئی، یعنے اس سے براہ راست تو نہیں اپنے چپراسی سے مخاطب ہو کر کہنے لگے " دیکھو! میرے پاس کسی کو آنے سے نہ روکا کرو۔ خواہ وہ آنے والا لڑکا ہی کیوں نہ ہو"

لڑکا یہ الفاظ سنتے ہی اپنی جگہ سے اچھل پڑا، اور ساری بھیڑ چیرتا پھاڑتا امیرالمومنین کے سامنے آ کے کہنے لگا۔

" امیرالمومنین! مجھے باتیں بڑے مزے کی کرنا آتی ہیں جو سنتا ہے دیر تک سر دھنتا رہتا ہے۔ اگر کہئے تو کوئی چٹکلہ آپ کو بھی سنا دوں؟

امیرالمومنین نے بے تکلف اُسے بات کرنے کی اجازت دیدی۔

درداس کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

" امیرالمومنین! ہم لوگ تین سال سے شدید قحط میں گرفتار ہیں۔ پہلے تین سال میں چربی گھلی، دوسرے سال میں گوشت گلا۔ اور اب جبکہ یہ تیسرا سال چل رہا ہے ہڈیوں کا نمبر آپہونچا ہے۔ سنا ہے کہ آپ کے پاس مال و دولت بہت ہے اور ظاہر ہے کہ اسکی تین اور صرف تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ خدائی ملکیت، پبلک مقبوضات اور ذاتی جائداد۔ اگر خدائی ملکیت قرار دیتے ہیں تو اس طرح اُسے آپ کا دانتوں سے پکڑے رہنا کیا معنی ہے اور اگر پبلک مقبوضات کہتے ہیں تو اس کے خرچ کرنے کی بھی سب سے بڑی حقدار پبلک ہی ہو سکتی ہے۔ اور اگر وہ سب آپ کی ذاتی جائداد ہے تو ایسے نازک وقت میں اُسے خیرات کر دینا ہی زیادہ بہتر ہوگا۔"

لڑکے کے ان چست فقروں پر خلیفہ ہشام کھلکھلا کر ہنس پڑے اور کہنے لگے "اس لڑکے نے تو تینوں راستوں میں سے کوئی راستہ بھی بھاگنے کا نہیں چھوڑا۔" اور یہ کہتے ہی کہتے حکم دے دیا کہ " ایک ہزار دینار تنہا درداس کو اور ایک ہزار پورے قحط زدہ

علاقے میں تقسیم کرنے کے لئے دیدیئے جائیں!"

۵۔ بہترین مشورہ

شہر مرو کے حاکم اعلیٰ حضرت نوح بن مریمؒ کو جب اپنی لڑکی کے نکاح کی ضرورت پیش آئی ہے تو آپ نے پڑوس کے ایک آتش پرست کو رائے لینے کے لئے بلا بھیجا۔ اس آتش پرست کو جب یہ پتہ چلا کہ اُسے اس کام کے لئے بلوایا گیا ہے تو اُسے بڑا تعجب ہوا۔ آکے کہنے لگا۔

"چہ خوش! ساری دنیا تو آپ سے آ آکے رائے لیا کرتی ہے اور آپ ہیں کہ مجھ سے رائے لے رہے ہیں!"

حضرت نوح رح نے جواب دیا "مشورہ ہر ایک سے لیا جاسکتا ہے!"

بہر حال آتش پرست نے کہنا شروع کیا۔

شاہان فارس مال و دولت کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ شاہانِ روم کے یہاں حسن و جمال کی مانگ ہوتی تھی، اہلِ عرب حسب نسب کو فوقیت دیا کرتے ہیں۔ اور خود آپ کے نبی محترم (صلے اللہ علیہ وسلم) دینداری اور پرہیزگاری کو تلاش کیا کرتے تھے۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ ان چاروں طریقوں میں سے جس طریقہ کو بہتر سمجھیں اپنے لئے تجویز کرلیں!"

۶۔ فرشتہ خصلت گورنر

امیر المومنین فاروق اعظم رضؓ نے ایک مرتبہ عمیر بن سعد نامی ایک شخص کو حمص کا گورنر بنا کے بھیجدیا۔ اور وہ اسی وقت، وہاں سے حمص کے لئے پیدل روانہ ہو گئے۔

ابھی انھیں پورا سال بھی نہیں گذرنے پایا تھا کہ اچانک واپسی کا حکم جاری کر دیا گیا۔ چنانچہ ایک دن یہ بغیر اطلاع کے اپنا اسباب خود اپنے سر پر لادے ہوئے ننگے پاؤں مدینہ منورہ حاضر ہو گئے۔

فاروق اعظم رضؓ انہیں اس حال میں آتا دیکھ کر متعجب تو بہت ہوئے مگر زبان سے کچھ نہیں بولے دیر تک وہاں کے حالات وغیرہ پوچھتے رہے ایک بار یہ بھی آپ نے ان سے پوچھ لیا" کہو وہاں سے کیا کیا کما کے لائے ہو؟

یہ فقرہ سنتے ہی انہوں نے بے ساختہ جواب دیا، امیر المومنین! میں وہاں سے ایک بڑی بھاری دنیا کما کے لایا ہوں!

آپ نے پوچھا" وہ کیا؟ تو کہنے لگے۔

" دیکھئے! ایک تو یہ عصا وہاں سے لایا ہوں۔ اس عصا سے سینکڑوں کام نکل سکتے ہیں ٹیک لگانے کی ضرورت ہوتی ہے تو ٹیک لگا لیتا ہوں۔ اور اگر ضرورت پیش آجائے تو اسی سے دشمن کا مقابلہ اور مدافعت بھی کر سکتا ہوں۔ اسی طرح دیکھئے! یہ ایک ناشتہ دان بھی وہیں سے میرے ہاتھ لگ گیا ہے۔ یہ بھی بڑی کارآمد چیز ہے

اس میں کچی پکی جو چیز چاہتا ہوں کافی مقدار میں بھر کر رکھ لیتا ہوں۔ اور لیجئے! یہ لکڑی کا ایک پیالہ بھی وہیں مجھے دستیاب ہو گیا ہے۔ یہ نہانے دھونے اور کھانے پینے وغیرہ کی چیزیں نکال کر رکھنے میں بڑا کارآمد ثابت ہوا ہے۔ امیر المومنین! اتنی بہت سی چیزوں پر قابو پا جانے کے بعد اس وقت یا آئندہ اور کس چیز کی حاجت باقی رہ جاتی ہے۔

عمیر بن سعد کی یہ باتیں سنتے ہی فاروق اعظم اٹھ کھڑے ہوئے اور روضۂ نبوی کے قریب جا کر شکر گذاری اور مسرت کے انداز میں رو رو کے کہنے لگے "اے پروردگار اب مجھے میرے ان دونوں ساتھیوں (حضورؐ اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی قبروں کی طرف اشارہ کر کے) سے ملا دے۔ میں نے تیرے بندوں کو اتنے سیدھے راستہ پر لاکے ڈال دیا ہے"

یہ دعا کر کے آپ پھر ان ہی کے پاس آ کے بیٹھ گئے اور ان سے وہاں کے دوسرے مشاغل وغیرہ پوچھنے لگے تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے وہاں جو کچھ بھی حاصل ہوتا تھا وہ سب وہیں کے فقراء اور مساکین کو دے دلا کر ختم کر دیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس وقت ایک حبہ بھی میں اپنے ساتھ نہیں لا سکا"

اسی کے ساتھ یہ بھی انہوں نے بتا دیا کہ اس وقت آپ کے لکھنے کے مطابق سیدھا وہیں سے چلا آرہا ہوں۔

چند روز کا وقفہ دیکر ان ہی عمیر بن سعدؓ کے یہاں فاروق اعظم رضؓ نے اپنے کسی خاص آدمی کے ہاتھ سو دینار کی ایک تھیلی روانہ کی اور آدمی کو یہ ہدایت کر دی کہ پہلے

وہ تین دن تک ان کے حالات کی دیکھ بھال کرنا، اور واقعی اگر وہ ضرورت مند نظر آویں تو یہ تھیلی دیدینا اور بتا دینا ورنہ چپکے سے واپس لے کے چلے آنا۔

چند ہی روز میں یہ ایلچی ایک مسافر کی صورت میں عمیر بن سعدؓ کے یہاں پہونچ گیا اور متواتر تین دن تک ان کے رہن سہن کو غور کے ساتھ دیکھتا رہا جب آن سے اچھی طرح اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ یہ شخص بہت پارسا اور حاجت مند ہے حتیٰ کہ اس تین دن کے اندر اسے ان کے دستر خوان پر جو کی روٹی اور روغن زیتون کے سوا اور کوئی دوسرا کھانا بھی نہیں دکھائی دیا اور لطف یہ کہ جب عمیر بن سعدؓ کو یہ پتہ چلا کہ آج یہ مہمان واپس جا رہا ہے تو وہ الگ بلا کے اس سے بولے! بھائی آج کل ہمارے یہاں جو کی روٹی اور زیتون کے تیل کے سوا اور کچھ موجود نہ تھا ورنہ خدا کی قسم تم سے چھپا کر نہ رکھا جاتا۔ اب اگر بہت خواہش ہو تو کہو تو پڑوس سے مانگ کر کچھ اور لے آویں۔ مگر یہ بات طبعاً مجھے پسند نہیں ہے"۔

ان سے یہ فقرے یہ سنتے ہی ایلچی کا دل بھر آیا، اور اس نے فوراً وہ تھیلی نکال کے دیدی اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ امیر المؤمنین کے یہاں سے انہی کو دینے یہاں آیا تھا اتنی بڑی رقم پا کر بھی ان کے اوپر کوئی خاص اثر نہیں ہوا، اپنی اہلیہ صاحبہ کو بلا کر کہنے لگے "لو! یہ رقم امیر المومنین کے یہاں سے آئی ہے اسے گن لو، اور ابھی محلّے کے محتاجوں اور مفلوک الحال عزیزوں کو بانٹ دو"۔

جب یہ ایلچی امیر المومنین کے پاس پہونچا ہے تو اس نے اپنی رپورٹ کا آغاز ہی

ان الفاظ سے کیا تھا۔

" امیر المومنین! میں اس وقت ایک ایسے تارک الدنیا درویش کے یہاں سے آرہا ہوں جس کے پاس زیادہ یا کم دنیا کا وجود کہیں بھی دیکھنے کو نہیں ملا۔"

اس کے بعد امیر المومنین نے انھیں دو طباقوں میں پکا ہوا کھانا اور دو قیمتی چادریں بطور تحفے کے روانہ کیں۔ چادریں تو انہوں نے یہ کہہ کر رکھ لیں کہ ان کی تو مجھے ضرورت بھی تھی مگر پکا ہوا کھانا یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ابھی دو سیر کے قریب جو میرے گھر میں موجود ہیں۔"

۷۔ تین سخیوں کا قصّہ

ایک دن خانۂ کعبہ میں اس بات پر بحث چھڑ گئی کہ اس وقت سب سے زیادہ سخی کون ہے؟ کوئی عبد اللہ بن جعفرؓ کا نام لیتا تھا کوئی قیس بن سعدؓ کو اور کوئی عرابہ اوسی رح کو، یہ فیصلہ نہیں ہو رہا تھا کہ ان تینوں میں ایک دوسرے کو کیا نسبت ہے؟ ایک آدمی کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اس کے معلوم کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ تینوں بزرگوں کے پاس الگ الگ تین آدمی فقیر و سائل بن کر جائیں اور وہ واپس آکر اپنی اپنی رائے اور سرگذشت بیان کریں۔

یہ بات سب کو پسند آگئی اور تینوں پارٹیوں نے ایک مضمون طے کر کے

اپنے اپنے آدمی ان کے پاس "بھیک" مانگنے کے لئے بھیجدیئے۔

عبداللہ بن جعفرؓ کے پاس جس وقت یہ سائل پہونچا ہے تو وہ اپنے علاقے پر جانے کے لئے سواری پر بیٹھ چکے تھے۔ یہ معلوم کر کے کہ یہ سائل ہے فوراً اپنی سواری سے اتر آئے اور کہنے لگے "لو! یہ حضرت علیؓ کی تلوار حاضر ہے اور یہ سواری کسی ہوئی کھڑی ہے ابھی میرے علاقے پر چلے جاؤ۔ اور وہاں جو کچھ بھی حاصل ہو جائے سب لے لینا"۔

چنانچہ اس آدمی کو ان کے علاقے سے چار ہزار روپیہ اور بہت سے بیش قیمت کپڑے وغیرہ وصول ہوئے۔ اور وہ متبرک تلوار مفت میں ہاتھ آئی۔

قیس بن سعدؓ کے یہاں جو شخص گیا تھا اُسے وہاں پہونچکر لونڈی نے بتایا کہ ابھی ابھی وہ سونے کے لئے لیٹے ہیں۔ لیکن جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ یہ سائل ہے اور کچھ مانگنے کے لئے آیا ہے تو کہنے لگی "اُن کے جگا دینے سے تو میرے نزدیک یہی بہتر ہے کہ میں تیری حاجت ہی پوری کردوں یہ کہہ کر اس نے سات سو درہم کی ایک تھیلی جو اس وقت گھر میں موجود تھی لاکر دیتے ہوئے بولی "یہ لو اور اپنا آدمی ساتھ کئے دیتی ہوں۔ ہمارے شترخانے چلے جاؤ۔ اگر کوئی سواری پسند آجائے تو وہ بھی لے لینا"۔

بیان کیا جاتا ہے کہ بیدار ہونے کے بعد قیس بن سعد کو جب لونڈی کی یہ کارگذاری معلوم ہوئی تو انہوں نے خوش ہو کر اسی وقت لونڈی کو بھی آزاد کر دیا

اب تیسرے آدمی کا قصّہ سینئے جو عرابہ اوسی رح کے یہاں گیا تھا۔ اُسے وہاں جاکر معلوم ہوا کہ اُن کی تو آنکھیں جاتی رہی ہیں اور اس وقت دو غلاموں کے سہارے سے مسجد نماز پڑھنے جا رہے ہیں۔

سائل نے بلا پس و پیش اسی حالت میں اپنا سوال اُن کے آگے رکھ دیا سائل کا سوال سنتے ہی آپ نے غلاموں کو روک دیا اور کفِ افسوس مل کر کہنے لگے۔ اب تو میرے پاس سوائے ان دو غلاموں کے اور کچھ باقی نہیں بچا ہے لہٰذا یہ حاضر ہیں تم ان ہی کو لے جاؤ۔"

سائل نے عرض بھی کیا کہ اگر آپ انھیں بھی دیدیں گے تو آپ کو تکلیف ہو جاوے گی اور نماز وغیرہ پڑھنے کیسے جایا کیجیئے گا۔ فوراً آپ کے ماتھے پر بل آگیا کہنے لگے اب اگر تم اس ہدیے کو نہ قبول کروگے تو میں بھی انھیں اب اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ لِلّٰہ فی اللہ آزاد کر دوں گا۔ اب تمہیں اختیار ہے چاہے لیتے جاؤ یا آزاد ہونے کا موقع دیدو۔"

اور یہ کہتے ہی کہتے آپ نے غلاموں کا سہارا چھوڑ کر دیوار پکڑ لی اور اسی کو پکڑے پکڑے گھر لوٹ آئے

کچھ دنوں کے بعد جب یہ تینوں سائل کعبہ میں جمع ہوئے اور ہر ایک نے اپنے اپنے واقعات سنائے تو بیک زبان سب نے یہی فیصلہ کیا کہ اپنی مخصوص طرز ادا کی بنا پر اس دور کے سب سے بڑے سخی اور غنی دل حضرت عرابہ اوسیؓ ہی ہیں۔

۸ - شاہ و رعیت کی نوک جھونک

ایک مرتبہ حضرت حسن بن فضل رح خلیفہ کے دربار میں پہونچ گئے اور وہ اس وقت اپنے مصاجبین و عمائد سے کسی بات میں بیٹھا مشورہ کر دیا تھا بیچ میں یہ بھی کسی بات میں بولنے لگے۔ خلیفہ کو ان کی یہ روش بہت ناگوار گذری اور اس نے ترشی کے ساتھ چپ کر دیا۔ مگر معلوم نہیں کیا سوچا کہ پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد اس نے انھیں بھی بات کرنے کی اجازت دیدی۔

حسن بن فضل رح بھرے تو بیٹھے ہی تھے اجازت ملتے ہی برس پڑے کہنے لگے۔ "امیر المومنین! کیا میری حیثیت ہُدہُد پرندے سے بھی کمتر ہے جس سے حضرت سلیمان ؑ خود بُلا بُلا کے مشورہ کیا کرتے تھے۔ اگر عمر ہی کی بڑائی اور چھوٹائی سے یہ مدارج و مراتب حاصل ہو جایا کرتے تو حضرت سلیمان ؑ اپنے فرزند حضرت داؤد ؑ سے علم و حکمت میں کہیں بڑے اور بڑھے بنائے گئے ہوتے۔

---

۹ - ستمگار سخی

اموی دور خلافت میں حجاج بن یوسف بڑا ستم گار اور سفاک آدمی خیال کیا جاتا ہے۔ مگر اس کی ان قبیح عادات اور بُری شہرتوں کے ساتھ فصاحت و بلاغت

سیاست دانی اور سخاوتوں کی داستانیں بھی بہت مشہور ہیں۔
اس کی عادت تھی کہ جب اُسے کسی بات پر بہت زیادہ ہنسی آتی تو دیر تک استغفر اللہ استغفر اللہ کے الفاظ استعمال کرنے لگتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک یہ بات بھی اس کی بہت مشہور ہے کہ روزانہ ایک ہزار آدمی اس کے دسترِ خوان پر حاضر رہا کرتے تھے۔ اور کھانا کھانے کے دوران میں اس کا دستور تھا کہ وہ خود چاروں طرف گھوم گھوم کر کہتا جاتا تھا کہ "روٹیوں کے بہت سے ٹکڑے کر لیا کرو تاکہ مسلسل اور تازہ لقمہ برابر ملتا رہے"
ایک دن اسی عالم میں اس کی زبان سے نکل گیا کہ "بعض لوگوں کے متعلق مجھے یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ یہاں آکر کھانا کھانے سے کچھ گریز کرنے لگے ہیں"!
اس پر کسی نے کہہ دیا کہ شاید وہ لوگ بُلانے کے آرزومند ہوں گے"
حجاج فوراً بول اٹھا۔
"اچھا آج سے یہ خدمت میں اپنی طرف سے سورج کو سپرد کئے دیتا ہوں۔ یعنی دن کا ڈوبنا ہر ایک کے لئے میری طرف سے بلاوے کی یاد تازہ کر دیا کرے گا۔ اس سے بغیر کسی تخصیص کے جو بھی پہونچ جائے گا وہ میرا مدعو ہی ہوگا۔

۱۰۔ شاہ کی شرمندگی

ایک مرتبہ حضرت معاویہؓ تخت پر لیٹے ہوئے تھے۔ کہ حضرت حسنؓ آگئے

آپ انھیں پائینتی... بیٹھنے کا اشارہ کرکے بولے۔

"اے حسن ذرا تم بھی سوچو! ام المومنین حضرت عائشہ رض کہتی ہیں کہ میں خلافت کے لئے کسی طرح موزوں ہی نہیں تھا۔ میرا خلیفہ ہونا ہی غلط ہے"۔

حضرت حسن رض نے برجستہ جواب دیا۔

"خیر یہ تو تعجب کی بات ہے ہی، لیکن اس سے زیادہ نہ ہوگی کہ آپ لیٹے ہوئے ہیں اور مجھے پائینتی میں بٹھا رکھا ہے"۔

ان کی زبان سے یہ کلمات سنتے ہی حضرت معاویہ رض شرمندہ ہو کے سیدھے بیٹھ گئے۔ اور بات کو ہلکا کرنے کی غرض سے پوچھنے لگے: "اے حسن رض سچ بتانا اب آج کل تمہارے اوپر کتنا قرض چڑھا ہوا ہے؟

انہوں نے جواب دیا: "ایک لاکھ تو فوراً ہی دینا ہے"۔

یہ سنتے ہی آپ نے غلام کو بلا کر حکم دیا کہ تین لاکھ روپیہ حضرت حسن رض کو ابھی لاکے دے دو۔ اور خود ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

"ایک لاکھ تو قرضے میں دیدینا اور ایک لاکھ اپنے اہل وعیال کو خرچ کیلئے سپرد کر دینا۔ بقیہ ایک لاکھ کو محفوظ رکھنا پھر کسی دوسرے وقت پر کام آئے گا۔

۱۱۔ دولت کی بارش

معن بن زائدہ ایک ذمہ دار سرکاری آدمی ہونے کے باوجود بڑے

بھاری سخی اور قدرداں آدمی تھے۔ عراق کی گورنری کے زمانے میں کوئی شاعر اُن کی ڈیوڑھی پر آکے پڑ گیا۔ کئی دن تک باریابی کی جد و جہد کرتا رہا مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔

ایک دن نوکروں کی زبانی اُسے معلوم ہو گیا کہ آج وہ اپنے باغیچے کی طرف آنے والے ہیں۔ اس نے فوراً ایک شعر کسی لکڑی کی پٹری پر کھدوا کر عین اس وقت جبکہ وہ درختوں کی سینچائی کا معائنہ کر رہے تھے نالی کے راستے باہر سے اندر بہا دیا۔

وہ لکڑی جب بہتے بہتے معن بن زائدہ کے قریب آئی تو آپ نے اس پر کچھ لکھا دیکھ کر اٹھا لیا۔ پڑھا تو اس مفہوم کا شعر عربی میں لکھا ہوا تھا۔

"معن بن زائدہ کی سخاوتوں کو سُن سُن کر میری ضروریات مجھے کھینچ لائی ہیں مگر افسوس کہ یہاں اس کی داد و دہش کے سوا اور کوئی سفارشی بھی نہیں دکھائی دیتا"

اس شعر کو پڑھ کر معن بن زائدہ پھڑک اٹھے، پوچھا کہ یہ شعر کس کا ہے؟ اور کس نے اس طرح لکھ کے بھیجا ہے؟

جب لوگوں نے شاعر کا نام بتایا تو فوراً اندر بلوا لیا، اور خود اس سے پڑھوا کر سنا۔ حکم دیا کہ دس ہزار کی تھیلی مال اسے دیدیا جاوے اور لکڑی کو اپنے سرہانے رکھوا دیا۔ دوسرے دن پھر لکڑی کو منگوا کر دیکھا اور شاعر کو بلا کر اس سے اس کے پڑھنے کی فرمائش کی جب وہ پڑھ چکا تو حکم دیا کہ دس ہزار کی ایک تھیلی

اسے دے دی جائے۔ تیسرے دن بھی یہی عمل ہوا۔ چوتھے دن شاعر اس اندیشے سے کہ کہیں جوش کے ختم ہوتے ہی کسی وقت یہ اپنا دیا ہوا سارا مال اس سے واپس نہ لے لیں۔ وہ بغیر اجازت و اطلاع وہاں سے بھاگ اٹھا۔

راوی کا بیان ہے کہ جب چوتھے دن اُسے بلانے کے لئے آدمی گیا اور اس نے واپس آکر شاعر کے بھاگ جانے کی خبر معن بن زائدہ کو سنائی ہے تو افسوس کے لہجے میں قسم کھا کر کہنے لگے کہ "جبتک میرے پاس ایک کوڑی بھی رہتی میں اسی طرح روزانہ اسے بلوا بلوا کر یہ شعر سنا کرتا اور دولت کی بارش کرتا ہی رہتا۔

۱۲- پڑوسی کا خیال

امام ابوحنیفہ رحہ کے پڑوس میں ایک بڑا معصیت کار شرابی رہا کرتا تھا۔ اس کا دستور تھا کہ دن بھر تو ادھر اُدھر رہتا اور جہاں رات ہوتی خاص کر اس وقت جبکہ سناٹے اور سکون کے عالم میں امام صاحب اپنے مصلّے پر عبادت کے لئے کھڑے ہوتے وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جمع ہو کر خوب شرابیں پیتا اور غُل مچایا کرتا تھا۔

ایک زمانے میں کئی دن تک آپ کو اس کے گھر سے کوئی آواز نہیں سنائی دی تو آپ نے شاگردوں سے اس کا سبب دریافت کرایا معلوم ہوا کہ اُسے پولیس

کسی الزام میں گرفتار کرلے گئی ہے۔ یہ سُن کر آپ کو بڑا دکھ ہوا۔ نماز فجر پڑھتے ہی کوتوال شہر سے جا کر ملے اور پوری تفصیل سے سارے واقعات بتا کر بولے کہ گو وہ کیسا ہی بُرا کیوں نہ تھا لیکن تھا تو وہ میرا پڑوسی ہی، بہر حال وہ اسی وقت آپ کی سفارش سے رہائی پا گیا۔

یہ شرابی جس وقت جیل سے چھوٹا ہے تو سیدھا امام صاحبؒ سے آکر ملا اور ان کے اخلاق کریمانہ کا اعتراف کرتے ہوئے شراب سے تائب ہو گیا اور سچا پکا مسلمان بن گیا۔

۱۳، دو خارجی عورتوں کی جرأت

ایک مرتبہ حجاج کے سامنے دو[ع] خارجی عقیدے کی عورتیں لا کے پیش کی گئیں۔ اس میں سے ایک عورت پر جس نے چادر سے اپنا منھ لپیٹ رکھا تھا کسی نے یہ اعتراض کر دیا کہ "اتنا بڑا حاکم تو تجھ سے بات کر رہا ہے اور تو ہے کہ اس کی

ع خارجی ان لوگوں کو کہتے ہیں۔ جو حضرات خلفائے ثلثہ رضؓ یعنے ابوبکر صدیق رضؓ، عمر فاروق رضؓ، عثمان غنی رضؓ کو برحق جانتے ہیں اور حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کو نعوذ باللہ منہ برا خیال کرتے ہیں۔ ۱۲

طرف آنکھ بھی اٹھا کر دیکھنا گوارا نہیں کرتی "

یہ سنتے ہی وہ بے ساختہ کہنے لگی " میں ایسے آدمی پر کیا نظر ڈالوں جسے قیامت کے دن خدا کنکھیوں سے بھی دیکھنا پسند نہیں کرے گا "

ایسے تیز جواب دینے والی عورت کے بارے میں اب مزید غور و فکر کی حاجت ہی کیا باقی رہ گئی تھی ؟ البتہ دوسری عورت کے لئے حجاج کو اپنے مشیروں سے پوچھنا پڑا، سب نے اُسے بھی قتل کر دینے کی رائے دیدی۔

اپنے قتل کا مشورہ سنتے ہی وہ بھی چپ نہیں بیٹھی فوراً بول اٹھی " حجاج! تیرے مشیروں سے تو تیرے دوست ہی کے مشیر بڑھیا اور قابل تھے "

حجاج نے حیرت سے پوچھا " دوست کون " بولی۔

" کون کیا ؟ وہی دنیا بھر کا پھٹکار پٹیا فرعون، اور کون ؟ اس نے تو اپنے مشیروں سے جب حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے متعلق رائے لی ہے۔ تو یہ سزا انھیں بھی نہیں سوجھی تھی "

۱۴۔ دینی جرأت و بے باکی

ایک مرتبہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک حج کرنے گئے تو مکہ معظمہ پہونچکر لوگوں سے فرمائش کی کہ اگر کوئی صحابی زندہ ہو تو اُسے بُلا لاؤ۔ لوگوں نے بتایا کہ

بدقسمتی سے اب ملک صحابیوں سے خالی ہو چکا ہے۔ البتہ صحابیوں کے دیکھنے والے موجود ہیں۔ امیر المومنین نے حکم دیا، اچھا خیر! کسی تابعیؒ ہی کو بلا لاؤ۔
یہ سنتے ہی لوگ حضرت طاؤسؒ کو پکڑ لے گئے۔

آپ نے شاہی دربار میں داخل ہوتے ہی جوتیاں تو فرش کے ایک گوشے میں رکھ دیں اور بغیر کسی شاہی ادب و تہذیب کے امیر المومنین کے برابر ہی آکے بیٹھ گئے اور بے تکلفی کے ساتھ نام لے لے کے بات کرنے لگے۔

امیر المومنین کو اُن کا یہ طریقہ بہت ہی ناگوار گذرا، غصہ سے چہرہ سرخ ہو گیا لوگ ڈرے کہ کہیں ابھی ان کی گردن نہ مار دی جائے۔ مصاحبین و امراء بیچ میں پڑ گئے۔ سمجھانے لگے کہ یہ حرم ہے اور حج کے ایام ہیں۔ ان میں خون ریزی شرعاً ممنوع ہے۔ بہرحال امیر المومنین کا ہاتھ تو رک گیا۔ مگر بڑی ترشی کے ساتھ ان سے ان حرکات کا سبب پوچھنے لگے۔

حضرت طاؤسؒ نے خلیفہ کی ہر بات کا اتنا کامل و مکمل جواب دیا کہ اُسے چپ ہو جانے کے سوا کوئی چارہ ہی نہ نظر آسکا۔

آپ نے جوتیاں اتار کے ایک کنارے رکھ دینے کی وجہ یہ بتائی کہ دن بھر میں کم سے کم پانچ مرتبہ تو خدا کے دربار میں حاضری دینے جاتا ہوں۔ وہاں

ع۔ صحابیوں کے دیکھنے والوں کو اصطلاح امت میں تابعی کہا جاتا ہے۔ ۱۲

بھی یہی صورت اختیار کرتا ہوں۔ میرے نزدیک آپ کا دربار اس حاکم مطلق کے دربار سے زیادہ باعظمت نہیں ہے۔

اور نام لے کر مخاطب کرنے کا جواب یہ دیا کہ یہ بھی مالک کائنات ہی کی ایک سنت ہے اس نے بھی اپنے محبوب و مقبول پیغمبروں کا خالی نام ہی لے کر قرآن میں یاد کیا ہے۔ جیسے یا یحییٰ، یا عیسیٰ، یا ذکریا، یا الیاسؑ وغیرہ۔

اور بے تکلف سامنے آکر بیٹھ جانے کا سبب یہ بتلایا کہ "امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی آدمی خود سے بڑا بن کے دوسروں سے اپنی عزت کرانے لگے تو اس کے دوزخی ہونے کا یقین کر لو۔"

حضرت طاؤس رح کی یہ توجیہات سنکر امیر المومنین شرم سے پسینے پسینے ہو گئے۔ کچھ دیر چپ رہنے کے بعد بولے "اچھا اب آپ آ گئے ہیں، تو کچھ اور نصیحتیں بھی کرتے جائیے! امیر المومنین کی اس خواہش پر آپ نے حضرت علی رض ہی کا یہ قول اور بیان کیا کہ "قیامت کے دن جہنم کے سانپ اور بچھو جو گھوڑے اور خچر سے بھی زیادہ بڑے اور لمبے چوڑے ہوں گے ہر اُس بادشاہ کو جو ظالم اور سنگدل ہوگا اور جس سے اس کی رعایا خوش نہیں رہتی ہوگی ایک سانس میں نگل جائیں گے۔"

عہ خلیفہ ہشام اموی خاندان سے تھا اور حضرت علی مرتضیٰ رض ہاشمی تھے۔ ان دونوں خاندانوں میں عرصے سے جنگ چلی آ رہی تھی اور اموی لوگ ان ہی سے خلافت پر قابض ہوئے تھے۔ ۱۲

بات یہیں تک پہونچنے پائی تھی کہ حضرت طاؤس رح ایک دم دربار سے بغیر اجازت کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے لاکھ روکنا چاہا مگر ٹھہرنا گوارا نہیں کیا۔

۱۵۔ ایک خاتون کے ہاتھوں شہزادے کی دُرگت

عباسی خلیفہ مامون رشید کا لڑکا شہزادہ عباس ایک دن اپنے شاہانہ جاہ و جلال اور لاؤ لشکر کے ساتھ دریائے دجلہ کے سبزہ زار میں محو سیر و شکار تھا کہ قریب میں ایک حسین عورت اُسے کنوئیں پر پانی بھرتی ہوئی نظر آ گئی۔

عباس اُسے دیکھتے ہی صبر و قرار کھو بیٹھا۔ نام وغیرہ پوچھتے پوچھتے یہ فقرہ بھی بے ساختہ اس کے منھ سے نکل گیا کہ "ایسے غیر آباد مقام پر جہاں پہاڑ اور جنگل کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا، ایسا پاکیزہ حسن بھی جنم لے سکتا ہے؟"

شہزادے کے ان فقرات پر غیور حسینہ کے ماتھے پر شکن پڑ گئی۔ چہرہ غصہ سے لال ہو گیا۔ مگر بجائے اس کے کہ کچھ جواب دیتی شہزادے کے سوال کو حقارت سے ٹھکرا کر وہاں سے ہٹ گئی۔

شہزادے کے سر پر باپ کی عظیم الشان سلطنت کا جن سوار تھا۔ فوراً حکم دیا کہ اس مغرور عورت کا حسب و نسب وغیرہ دریافت کرو، اور اگر کوئی معیوب

گھرانہ نہ ہو تو میرے نکاح کا اسے پیغام دیدو۔

نوکر چاکر تعمیل حکم کے لئے دوڑ پڑے اور شہزادہ فرط غضب و آتش عشق سے بیتاب ہو کر شکار بند کر کے خیمہ میں آ کر بیٹھ رہا۔ آدھی رات کے قریب نوکروں نے واپس آ کر بتایا کہ وہ خاندان برمک کی ایک بیوہ عورت ہے مغیرہ بنت الزورائس کا نام ہے اور اس کے شوہر کا نام حسین بن موسیٰ تھا اب تک دو بچوں کی ماں بن چکی ہے۔ اس وقت کوئی قریبی عزیز زندہ نہیں ہے۔

ان ہی لوگوں نے یہ بھی بیان کیا کہ اس کو نکاح کا پیغام بہت ناگوار ہوا ہے غصہ میں اس نے یہ الفاظ کہلا بھیجے ہیں۔

"خلیفہ ہارون ہماری جانیں لے چکا۔ اب اس کا بیٹا مامون ہماری عزت کے درپے ہے لیکن عباس کو یاد رہے کہ عنقریب اس کی ساری شہزادگی اس بوسیدہ دہلیز پر مسل کے رکھدوں گی۔"

دوسرے دن نماز فجر کے بعد مغیرہ نے اپنے چھوٹے بچہ کو بیدار ہی کیا تھا کہ عباس کے ہرکارہ نے یہ خبر دروازے پر آ کر سنائی۔

"اب شہزادے کا غصہ تیری جان و مال کو خاک میں ملا کر رکھدے گا۔ یہ مکان بحق سرکار ضبط کیا جاتا ہے تھوڑی دیر کے اندر خالی کر دیا جائے۔"

شہزادہ کا یہ حکم سنتے ہی مغیرہ جل کے کباب ہو گئی۔ اندر ہی سے ہرکارہ کو پکار کر بولی۔

"عباس اس دن کو بھول جاسئے جب میرے دادا جعفر کا سر اس کے دادا ہارون کے سامنے لا کے رکھا گیا تھا۔ اگرچہ اس بے گناہ کے قتل ہو جانے سے پورا خاندان برامکہ دانے دانے کو محتاج ہو گیا۔ مگر اسے یقین رکھنا چاہیے کہ اب برمکی خاندان کی بیبیاں عباسی حکمرانوں کی چیرہ دستیاں زیادہ دنوں تک برداشت نہیں کر سکتیں"۔

اور یہ کہتے ہی کہتے وہ ایک سفید رومال سے سر کو لپیٹ کر دونوں بچوں سمیت باہر نکل آئی۔

دو ہی چار روز کے بعد عین اس وقت جب کہ امیرالمومنین مامون رشید دربار کر رہے تھے اور شہزادہ عباس بھی ان کے برابر ہی بیٹھا ہوا تھا مغیرہ شیرانہ انداز میں دربار کے اندر گھس آئی اور بغیر کسی ادب و رسم شاہی کے بلند آواز سے کہنے لگی۔

"بیوہ کا مرکان صرف اس لئے کہ وہ اپنی عصمت کو بچائے، وہاں اللہ اللہ کیا کرتی تھی۔ سلطنت عبّاسیہ کو مبارک ہو، لیکن اے مامون! ایک دن تجھے اس شہنشاہ کو بھی منھ دکھانا ہے جس کی سلطنت کو کبھی زوال نہیں آ سکتا اور وہ ہر بات پر قادر ہے۔ اس وقت میں تیرے پاس ایک ظالم کی فریاد لائی ہوں۔ اگر انصاف سے کام لے گا تو بہتر ہو گا ورنہ قدرت کے انتقامی مقابلے کے لئے تیار رہو جا!

اس کی اس تقریر سے سارے دربار میں ایک دم کھلبلی سی پڑ گئی سب

حیرت میں ڈوبے ہوئے اس کا منھ تک رہے تھے۔

امیر المومنین نے اس ظالم کا نام وپتہ وغیرہ پوچھا تو اس نے حقارت کی ہنسی ہنستے ہوئے بے باکی کے ساتھ بتا دیا کہ "یہی آپ کے شہزادۂ عباس ہیں جو آپ کی بغل میں تکیہ لگائے بیٹھے ہیں"۔

یہ سنتے ہی امیر المومنین کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا۔ اور عباس کو حکم دیا کہ "تخت سے اتر کر مدعیہ کے برابر کھڑا ہو جائے۔ اور اس کے استغاثے کا جواب دے"۔

شہزادے کو باپ کے حکم کی تعمیل کرنا پڑی اور انتہائی سکوت وشرمندگی کے عالم میں اسے مغیرہ کے برابر ہی آکے کھڑا ہو جانا پڑا۔

مغیرہ نے اسی دیدہ دلیری اور چرب زبانی کے ساتھ اپنا دعویٰ پھر دہرایا، اور آخر میں شہزادہ کی طرف منھ کرکے کہنے لگی۔

"عباس! یہ صحیح ہے کہ تو بادشاہ وقت مامون کا لڑکا ہے لیکن یہ ہاتھ اس وقت کے لئے تیار ہو چکے تھے کہ اگر تو اپنی دھن میں کچھ اور آگے بڑھتا تو اسی وقت تیری گردن خاک وخون میں لتھیڑ دیتی۔ آل برامکہ کی حکومت تو برباد ہو چکی مگر یاد رکھ کہ ہماری عصمت وہ دولت ہے جس پر ہزاروں عباسی حکومتیں قربان کی جا سکتی ہیں"۔

اہل دربار نے مغیرہ کو کچھ اس طرح کی گفتگو سے روکنا بھی چاہا تو مامون نے یہ کہہ کر روک دیا کہ "اسے سب کچھ کہہ لینے دو۔ اس کو اسی طرح کہنا بھی چاہئے اور یہ

اس کی صداقت اور جذبۂ عصمت ہے جو اتنا بے باک بنائے ہوئے ہے۔ اسی وجہ سے دیکھتے نہیں ہو۔ کہ عباس بُت بنا چپ چاپ سب باتیں سُنے جا رہا ہے"

اس کے بعد پانچ تھیلی اشرفی خزانے سے منگوا کر امیر المومنین نے اس کے قدموں میں ڈال دیں اور شہزادہ کا قصور معاف کراتے ہوئے نہ صرف اس کے مکان کی واگذاری کا حکم جاری کر دیا، قصر عباس جو بڑا بھاری اور خوبصورت محل تھا مغیرہ کو رہنے کے لئے دیدیا۔

۱۶، اعزاز کا اتار چڑھاؤ

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے زمانے میں خزیمہ بن بشر نام کے ایک بہت ہی دولتمند اور سخی آدمی گذرے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جبتک ان کے پاس رقم رہی اور سخاوتوں کا سلسلہ جاری رہا فقیر تو فقیر بڑے بڑے امراء و رؤساء ہر وقت اس کے لئے اپنی آنکھیں فرش راہ کئے رہتے تھے لیکن جب مفلسی آئی اور وہ خود نان شبینہ کو محتاج ہوگیا تو مخصوص احباب تک نے اس سے کترانا اور جان چرانا شروع کر دیا۔ مجبور ہو کر اس نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب اموی گورنمنٹ کی طرف سے شہر جزیرہ پر عکرمۃ الفیاض

نامی ایک شخص بطور ایڈمنسٹریٹر حکمرانی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

یہ عکرمہ فقط نام ہی کے فیاض نہ تھے دل کے بھی بڑے فیاض واقع ہوئے تھے ایک دن کسی نے ان سے بھی خزیمہ کی یہ کیفیت جاکے بیان کردی۔ انہوں نے یہ سنتے ہی کہ اب خزیمہ والے دلانے کو محتاج ہوکر گوشہ نشین ہوگیا ہے۔ فوراً مجلس برخاست کرکے گھر کے اندر گئے اور دن ڈوبتے ہی چار ہزار اشرفیوں کی ایک تھیلی غلام لدوا کر خزیمہ کے گھر کی طرف چل دیئے۔

عکرمہ نے یہ سفر رات کی تاریکی میں فقط اس لئے اختیار کیا تھا کہ کہیں خزیمہ اسے پہچان کر رقم کے لینے سے انکار نہ کر بیٹھے۔ اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ جب اس کا گھر قریب آگیا تو غلام کو بھی رخصت کر دیا۔

خزیمہ کے محل کو دیکھ کر اسے بڑا رنج ہوا۔ اس لیے کہ یہ وہ محل تھا جہاں زیبائش و آرائش کے علاوہ بڑی بھیڑ بھاڑ رہا کرتی تھی۔ مگر آج اس مفلسی کے ہاتھوں وہاں اندھیرے کے سوا کچھ نہیں دکھائی دیتا تھا۔

عکرمہ نے جس وقت اس کے دروازے کی کنڈی کھٹکھٹائی ہے وہ تنہا اس لق و دق محل میں پڑا ہوا اپنی بی بی کو اپنی گذشتہ سخاوتوں کے قصے سنا رہا تھا۔

رات کے اس سناٹے میں خزیمہ اپنے دروازے پر آدمی کی بولی سنکر بے تحاشا باہر نکل آیا۔ علیک سلیک کے بعد عکرمہ اس کے ہاتھ میں اشرفیوں

کی تھیلی تھما کے لوٹنا ہی چاہتا تھا کہ اس نے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور قسم کھا کر کہنے لگا کہ "جب تک مجھے تمہارا نام و پتہ نہ معلوم ہو جائے گا میں اسے ہاتھ لگانا بھی نہیں گوارا کروں گا۔

عکرمہ نے اپنا اصلی نام و پتہ بتانے سے گریز کیا۔ اور صرف یہ کہہ کر کہ میرا نام "جابر ثمرات الکرام" (سخاوت کے ماروں کا سہارا) ہے۔ بگٹٹ چل دیا۔

دونوں میاں بیوی اس رقم کو پا کر بہت خوش ہوئے اور چونکہ اندھیرا گھپ چھایا ہوا تھا۔ اس لئے دونوں رات بھر ٹٹول ٹٹول کر اندازے زنی کرتے رہے کہ اگر اس کے اندر صرف پیسے ہی پیسے بھرے ہوں گے تو بھی اچھی خاصی مالیت ہوگی

عکرمہ کو اس آنے جانے میں کافی رات بیت گئی۔ جب گھر لوٹے تو پتہ چلا کہ ان کی بی بی اتنی بڑی رقم لے کے باہر جانے اور راستے ہی سے غلام کو واپس کر دینے سے بہت مشکوک ہو رہی ہے۔ چنانچہ اندر گئے تو دیکھا کہ واقعی وہ مارے جلن کے بال بکھیرے، آنسو بہائے آنگن میں ٹہل رہی ہے۔

وہ بات کی نزاکت کو فوراً تاڑ گئے۔ قسم دے کر کہنے لگے کہ اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ اصلی بات یہ تھی۔

اِدھر صبح ہوتے ہی خزیمہ کے یہاں قرضداروں کا قرضہ چکایا گیا۔ اور خانگی ضروریات کی چیزیں سابقہ انداز میں پھر مہیا ہو گئیں۔

اتفاق کی بات کہ عین اسی زمانے میں امیر المومنین بھی دورہ کرتے ہوئے

جزیرے آگئے۔ خزیمہ ملنے گئے تو امیر المومنین حیرت کے ساتھ پوچھنے لگے۔

"خزیمہ! اتنے دن سے کہاں چھپے ہوئے تھے۔ کبھی صورت ہی نہ دکھلائی؟

خزیمہ نے صاف بتادیا کہ "امیر المومنین! مجھے مفلسی نے لاچار کر دیا تھا" یہ سنتے ہی امیر المومنین بولے "اچھا اب کیا حال ہے؟" تو اس نے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ "خدا نے بس میری غیب سے مدد کر دی" امیر المومنین کو خزیمہ کے اس جواب پر اور تعجب ہوا۔ پوچھنے لگے "غیب سے مدد ہو جانا کیا معنی؟" تو اس نے یہ بھی بتادیا کہ "ایک شخص اندھیری رات میں میرے گھر پر آیا اور چار ہزار اشرفیوں کی ایک تھیلی پکڑا کے چلتا بنا"

امیر المومنین کا تعجب اس کے اس جواب سے اور بڑھ گیا۔ نام وغیرہ پوچھا تو اس نے بتادیا کہ پہلے تو وہ شخص اپنا نام ہی کسی طرح نہیں بتاتا تھا۔ مگر جب میں کسی طرح راضی نہ ہوا تو جابر عثرات الکرام کہہ کر چلتا بنا!

امیر المومنین اس قصے سے دیر تک محو حیرت بنے رہے اس کے بعد پوچھنے لگے۔

"بھلا پھر اور کبھی بھی اس آدمی سے تمہاری ملاقات ہوئی؟

خزیمہ نے انکار کے طور پر سر ہلایا تو وہ چپ ہو گئے اور کہنے لگے "اچھا اب جب بھی وہ تمہیں کہیں مل جائے تو ہم سے بھی لاکر ضرور ملانا"

جزیرے روانگی کے وقت امیر المومنین نے خزیمہ کو عکرمہ کا افسر اعلیٰ یعنے جزیرے کا مستقل گورنر بنا دیا۔

خزیمہ جس وقت جزیرہ کا باقاعدہ چارج لینے پہونچے ہیں تو عکرمہ نے بحیثیت

ایک ایڈمنسٹریٹران کا شاندار استقبال کیا۔

جب چارج لیا جا چکا تو معلوم ہوا کہ سرکاری خزانے کی چار ہزار اشرفیاں کم ہیں عکرمہ سے اس کا مطالبہ کیا۔ مگر عکرمہ نے فی الفور اس کی ادائے گی سے اپنی مجبوری ظاہر کی جس پر خزیمہ نے ان پر غبن کا مقدمہ دائر کر کے جیل بھیجدیا۔ اور چونکہ خزیمہ کو چوری اور خیانت وغیرہ سے طبعاً نفرت تھی۔ اس لئے جیل بھی بھیجا تو ہتھکڑی اور بیڑی کے ساتھ اور وہاں بھی وقتاً فوقتاً کوڑے لگواتے رہے۔

اس زمانے میں عکرمہ کی بی بی اپنے میکے گئی ہوئی تھی۔ اسے جب اس واقع کی خبر ہوئی ہے تو بڑی پریشان ہوئی۔ ایک سہیلی سے ساری داستان بتلا کر مشورہ کیا کہ وہ تو اس طرح کی مجھے قسم دلا چکے ہیں۔ اب کروں تو کیا کروں؟ سہیلی نے مشورہ دیا کہ اب تم اور کچھ نہ کرو بس خزیمہ کے پاس جا کر اتنا پوچھ آؤ کہ کیا تمہارے یہاں جابر عثرات الکرام کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے؟

عکرمہ کی بی بی نے ایسا ہی کیا۔ جابر عثرات الکرام ہ لفظ سنتے ہی خزیمہ سٹ پٹا سا گیا۔ بوکھلا بوکھلا کر پوچھنے لگا کہ "کیا یہ وہی میر المحسن جابر عثرات الکرام ہی جیل میں بند ہے"؛ مگر عکرمہ کی بی بی اس کا جواب دیئے بغیر ہی وہاں سے لوٹ آئی۔

غبن کی حقیقت کھلتے ہی عکرمہ سیدھے جیل گئے اور وہاں سب کو ساری روئداد سنا کر خزیمہ کو رہا کرا لائے۔ اس کے بعد دونوں نے امیر المومنین کے یہاں

چلنے کا قصد کیا۔ اتفاق سے اسی زمانے میں امیر المومنین رملہ آگئے جو جزیرے کے قریب واقع تھا۔ یہ دونوں وہیں جاکر ان سے ملے۔

امیر المومنین کو جیسے ہی خزیمہ کے آنے کی اطلاع ملی ہے تو وہ حیران تھے کہ اس وقت وہ کیوں آرہے ہیں۔ بہرحال اجازت ملتے ہی وہ خود تو اندر چلے گئے۔ اور عکرمہ کو باہر ہی بٹھا گئے۔ سلام و کلام کے بعد بولے۔

"امیر المومنین! بڑی مشکلوں سے اب جاکر مجھے جابر عثرات الکرام ملا ہے اور چونکہ اس دن آپ نے جزیرے میں اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی اس لئے اپنے ساتھ ہی لے آیا ہوں۔ باہر بیٹھا ہوا ہے، کہئے اندر بلاؤں؟

امیر المومنین پوچھنے لگے۔ آخر وہ ہے کون بلا؟ تو خزیمہ نے برجستہ جواب دیا "ہوتا کون؟ وہی آپ کا پرانا غلام و نمک خوار عکرمۃ الفیاض ہے جسے چند روز ہوئے ابھی غبن کے الزام میں قید باشقت کی سزا دی گئی تھی۔"

غرض یہ بھی اندر بلائے گئے۔ تفصیل کے ساتھ سارا واقعہ سنکر امیر المومنین دیر تک ہنستے رہے۔ اور پھر کہنے لگے "عکرمہ! تمہاری نیکی خود تمہارے گلے کا ہار اور حلق کا پھندا بن گئی۔ اس کے بعد دس ہزار اشرفیاں اور بہت سے بیش قیمت کپڑے اور برتن وغیرہ انھیں دیتے ہوئے جزیرہ آذربائی جان اور آرمینہ کے صوبوں کا مستقل ہائی کمان بنادیا۔ اور خزیمہ کے متعلق اجازت دی کہ اُسے چاہو اپنی جگہ پر رکھو یا علیحدہ کردو۔"

مگر انہوں نے خزیمہ کے عہدے میں کوئی ترمیم نہیں کی۔

۱۷۔ قیامت کا ڈر

حج کا زمانہ ہے اور امیر المومنین ہارون رشید اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ سفید احرام[ع] باندھے ہوئے سعی[ع] کر رہے ہیں۔ ہزاروں آدمیوں کا ہجوم ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک سمندر معلوم ہوتا ہے۔ جدھر نظر اٹھتی ہے سر ہی سر دکھائی پڑتے ہیں اتنے میں سابق حکمراں خاندان بنو امیہ کے مشہور نیکوکار خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کا پوتا عبداللہ، ہجوم سے نکل کر امیر المومنین کے سامنے آ کے کھڑا ہو جاتا ہے۔

امیر المومنین نے نام اور آنے کا سبب دریافت کیا تو اس نے اپنا پورا پتہ بتا کر جواب دیا "امیر المومنین! ذرا بیت اللہ کے جاہ و جلال کو تو دیکھئے۔

ع احرام اس خاص لباس کو کہتے ہیں جسے حج کے موسم میں حاجی لوگ پہنتے ہیں یہ ایک بے سلا ہوا کپڑا ہوتا ہے اور ایک خاص مقام سے خاص وقت تک مکہ کے لئے پہنا جاتا ہے ۱۲ ع سعی اصطلاح میں صفا و مروہ (مکہ میں دو پہاڑیاں ہیں) کے درمیان دوڑنے کو کہتے ہیں حضرت ہاجرہ (حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ اور حضرت ابراہیم کی زوجہ) چونکہ ان پہاڑیوں کے بیچ میں پانی کی تلاش اور بچہ کے خیال سے دوڑی تھیں، اس لئے امت محمدیہ بھی یہ کام ان کی تقلید میں کرتی ہے ۱۲۔

ہارون رشید بولے "ہاں خوب دیکھ رہا ہوں۔ اس گھر کی بھی کیا شان و شوکت ہے" پھر عبداللہ نے پوچھا " اچھا آپ کے نزدیک یہاں اس وقت کتنے آدمی جمع ہوں گے؟

امیرالمومنین بولے۔ صحیح تعداد معلوم کرنا کسی بندے کی بس کی بات نہیں معلوم ہوتی۔ خدا ہی جان سکتا ہے کہ کتنے افراد اس وقت اس کے گھر کی چوکھٹ کو سجدہ کرنے دنیا کے کونے کونے سے سمٹ کر آ گئے ہیں"۔

عبداللہ کہنے لگے " ٹھیک ہے لیکن کبھی آپ نے اس بات پر بھی غور کیا کہ قیامت کے دن ہر بندہ اپنے اپنے اعمال کا ذمہ دار و جواب دہ ہو گا۔ آپ کو جیسے کہ ان آدمیوں کی تعداد کا پتہ نہیں چل رہا ہے آپ کی ذمہ داریاں بھی اسی طرح بے پناہ ہیں بس قیامت کا دن ہو گا اور آپ کی ذات ہو گی۔ بتایئے کیسے کام بنے گا؟

ہارون رشید یہ الفاظ سنتے ہی مبہوت و ششدر رہ گئے۔ آنکھوں سے خون کا فوارہ چھوٹ نکلا، دل بیقرار ہو کر سینے کے باہر ہوا جاتا تھا۔ ایک دم سجدہ میں گر گئے اور گڑگڑا کر خدا سے اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگے۔

اچانک اس عبرت انگیز واقعہ سے عوام کے چلتے قدم رک گئے اور سب دیر تک اپنے بادشاہ کی بے صبری کے ساتھ یہ توبہ و استغفار کا رقت خیز منظر دیکھتے رہے۔

۱۸، یادگار خاندان

حضرت منکدرؒ ایک دن ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ سے آکر کہنے لگے
آج کئی دن سے میرے یہاں فاقہ ہے"۔ ام المومنین کو بڑا صدمہ ہوا۔ افسوس کے
لہجے میں کہنے لگیں" اتفاق سے اس وقت میرے یہاں بھی کچھ نہیں ہے۔ اگر
اس وقت میرے پاس دس ہزار روپیہ بھی ہوتا تو تجھ سے مطلق بچا کے نہ رکھتی"۔
یہ بات کر کے ادھر وہ واپس ہوئے ہی تھے کہ خالد بن سعید رضؓ کے یہاں
سے ان کے پاس دس ہزار کی رقم آگئی۔ آپ نے جیوں کی تیوں یہ ساری رقم
اسی وقت منکدر رضؓ کے یہاں بھجوادی۔

حضرت منکدر رضؓ اس رقم کو پاکر بہت خوش ہوئے۔ سیدھے بازار گئے
اور جہاں دنیا بھر کی چیزیں خرید کر لائے ایک لونڈی بھی لے آئے تھے۔ اس لونڈی
سے ان کے تین فرزند پیدا ہوئے، جن کا نام محمدؒ، ابوبکرؒ، عمرؒ تھا۔ ان ہی
سے ان کی نسل چلی اور اتنا پھلے پھولے کہ پورا ایک قبیلہ بنو المنکدر کے نام سے
تاریخ میں الگ دکھایا گیا ہے

۱۹، دو عقلمند لڑکیاں

کسی شاعر کے دشمن بہت ہوگئے تھے اور اسے ہر وقت ان سے اپنی جان کا

خطرہ لگا رہتا تھا۔ ایک دن واقعی کسی دشمن کو اس پر قابو حاصل ہو گیا۔ لاکھ جتن کئے کہ رہا ہو جائے۔ مگر کسی طرح چھٹکارا نہیں مل سکا۔ جب اُسے اپنی موت کا بالکل ہی یقین ہو گیا تو کہنے لگا۔

" اب تو شاید تم میرا کام تمام ہی کر دو گے۔ لہذا میری ایک خواہش ہے اگر اسے پورا کر دینے کا وعدہ کر لو تو بڑا اچھا ہو گا۔ اور وہ یہ ہے کہ میرے مرجانے کے بعد میری دونوں لڑکیوں کو جو فلاں جگہ رہتی ہیں۔ میرا یہ مصرع جا کے سنا دینا۔

وہ مصرع یہ تھا۔ اَلَا یَا اَیُّھَا الْبِنْتَانِ اِنَّ اَبَاکُمَا : اے دو تو لڑکیو. تمہارا باپ " قصہ مختصر یہ کہ قاتل نے اس کا کام تمام کر کے لڑکیوں کو جا کے اس کا مصرع سنا دیا۔

لڑکیاں بھی تھیں بڑی عقلمند اور قابل ، بیک زبان دونوں نے باپ کے مصرع پر یہی مصرع لگایا " قتیل خذا بالثار ممن اتاکما۔ یعنی تمہارا باپ مار ڈالا گیا اور جو شخص تمہارے پاس آ رہا ہے اس سے اپنا بدلہ لے لو.

لڑکیاں اسے گھر پر بٹھا کر فوراً پولیس کو بلا لائیں اور گرفتار کرا دیا۔ مقدمہ عدالت میں پہونچا۔ عدالت نے دونو مصرعوں پر غور کیا۔ آخر میں یہی فیصلہ ہوا کہ واقعی باپ کے اس مصرع پر سوائے اس مصرعے کے کوئی دوسرا مصرع چسپاں ہی نہیں ہو سکتا۔

چارو ناچار قاتل کو بھی اپنے جرم کا اقبال کرنا پڑا اور اس طرح ایک قابل

باپ کی قابل لڑکیوں نے اپنا بدلہ نکال لیا۔

---

۲۰ ، بے پناہ آمد و خرچ

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ یزید سے ملنے آگئے۔ برسبیل تذکرہ یزید پوچھ بیٹھا۔

" کہو عبداللہ! حضرت معاویہؓ تمہیں کتنا سالانہ دیا کرتے تھے؟" انہوں نے بتایا کہ ایک لاکھ روپیہ سالانہ دیا کرتے تھے۔

یزید بولا " اچھا اب میں تمہارے خصوصی تعلقات کے پیش نظر ایک لاکھ روپیہ اور بڑھا دوں گا۔ مگر دیکھنا اس کا شور زیادہ نہ ہونے پائے ورنہ لوگ اڑا دیں گے کہ یزید پورا بیت المال ایک ہی کو دیئے دیتا ہے۔ اتنی بڑی رقم سوائے اہل مدینہ کے اور کسی کو آج تک نہیں دی گئی تھی۔

بہرحال یزید نے دو لاکھ کی رقم دے کر روانہ کیا۔ مگر اسی کے ساتھ ایک آدمی بھی ان کے پیچھے لگا دیا۔ کہ وہ ان کے مصارف وغیرہ کی اسے برابر اطلاع دیتا رہے۔

جاسوس کی اس تقرری کا حضرت عبداللہ کو کوئی علم نہیں تھا۔ چند روز کے بعد یہ جاسوس جب واپس آیا ہے تو اس نے آ کے یہ رپورٹ دی۔

مدینہ پہونچتے ہی ان کے پاس لوگوں کا ایک تانتا سا بندھ گیا اور وہ ہر ایک کو کافی رقم دے دے کر واپس کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب میں یہاں سے چل رہا تھا تو اس کا ہاتھ بالکل خالی ہو چکا تھا۔ اور قرض اُدھار پر کام جاری ہو گیا تھا

---

۲۱ ، سمجھدار عورت

امام مالک ؒ کے زمانے میں کسی شخص نے اپنی بی بی سے جبکہ وہ سیڑھی پر چڑھ رہی تھی ناراض ہو کر کہہ دیا کہ " اگر تو آگے چڑھی تو طلاق ہے " اور پھر فوراً ہی یہ بھی کہہ دیا کہ " اور اگر سیڑھی پر ٹھہری رہی تو بھی طلاق ہے " اس پر خاموش نہیں ہوا۔ اور یہ بھی کہہ گذرا کہ اگر تو نیچے اتری تو بھی طلاق ہے "

عورت تھی قابل اور سمجھ دار، شوہر کی زبان سے طلاق کے الفاظ سنتے ہی اس نے اپنے کو ایک دم سیڑھی سے نیچے گرا دیا۔

عورت کی اس حرکت پر بجائے اس کے کہ شوہر کچھ خفا ہوتا ہنس پڑا۔ اور کہنے لگا کہ " واقعی تم بہت قابل اور تعلیم یافتہ عورت ہو۔ اگر تمہاری لیاقت اور مسائل شرعیہ کی واقفیت کے پیش نظر لوگ امام مالک ؒ کے بعد اپنا امام و رہنما تمہیں بنالیں تو تم اس کے لئے بہت موزون رہو گی۔

۲۲۔ شاہی خزانے کی لوٹ

عباسی خلیفہ مستعین کے مصاحب احمد بن حمدون کا بیان ہے کہ خلیفہ کی والدہ نے اپنے ہاتھ سے ایک فرش تیار کیا تھا جس میں انہوں نے خالص سونے اور چاندی کے تاروں سے ہر قسم کے جانور اور پرندے وغیرہ کاڑھے تھے ان پرندوں کی چونچوں پنجوں کی جگہ یاقوت و زمرد وغیرہ تراش تراش کر جڑے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ آنکھیں ان کی دیکھنے کے قابل تھیں۔ ایسے قرینے سے جواہرات کو ان میں لگایا گیا تھا جس سے وہ بالکل اصلی معلوم ہوتی تھیں۔

خزانے کے منشیوں کا بیان ہے کہ اس فرش کی تیاری پر ایک لاکھ تیس ہزار اشرفیاں خرچ ہوئی تھیں۔

ایک دن احمد بن حمدون نے اس فرش کو دیکھنے کی خواہش کی تو امیر المومنین نے اپنے ایک عزیز اور دربان کے ساتھ وہیں بھیجدیا۔ جہاں یہ فرش رکھا ہوا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی ہم لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ ایسا فرش کسی دربار میں بھی نظر سے نہیں گذرا تھا۔ یہ قیمتی اور خوبصورت دستکاری بس اسی قابل تھی کہ للچا للچا کے دیکھے ہی جایئے۔

احمد کہتے ہیں کہ میرے منھ میں پانی بھر آیا اور ایک ہرن میں نے مع اس کے یاقوت و جواہر کے نوچ کے اپنی لمبی عبا کی آستین میں رکھ لیا۔

جب ہم لوگ لوٹ کے آئے تو امیر المومنین دیر تک اس پر مجھ سے تنقید و تبصرہ کراتے رہے، اسی اثنا میں خلیفہ کے اس عزیز نے میری چوری کا بھی راز فاش کر دیا۔ مگر مجھے اس سے کچھ الجھن نہیں ہوئی۔ اسی وقت وہ توڑا مڑا ہوا ہرن آستین سے نکال کر میں نے ان کے سامنے رکھدیا۔

امیر المومنین اسے دیکھتے ہی گھبرا گئے، کہنے لگے "بھائی یہ نہ لو۔ اسے واپس کر دو، اور اس کے عوض میں میرے ذاتی خزانے سے جس قدر اور جو کچھ تم اٹھا کے لاسکو لے جا سکتے ہو۔"

ان کی اجازت ملتے ہی نہ صرف میں بلکہ اس وقت وہاں جتنے بھی لوگ بیٹھے ہوئے تھے سب خزانے کی طرف چل دیئے۔

امیر المومنین تو بیچ ہی میں ایک جگہ ٹھہر گئے اور ہم لوگوں کی لوٹ کھسوٹ کا تماشہ دیکھ دیکھ کر ہنسا کئے۔ غرض جس سے جتنا بھی نوچا کھسوٹا جاسکا اس میں کسی نے دریغ نہیں کیا۔

یزید مہلبی نے سونے کا ایک درزنی لوٹا اٹھالیا جس میں لبالب مشک بھرا ہوا تھا۔ وہ اسے لے کے چلے ہی تھے کہ امیر المومنین نے آواز دی "اسے یہ لوٹا کہاں لے کے چلے؟"

یزید بے ساختہ بولے "وہ کہیں نہیں، ذرا غسل خانے تک جا رہا ہوں۔"

اس پر امیر المومنین کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

خود احمد کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ وہاں سے واپس آئے تو اتنا بھر لائے تھے کہ چلا تک نہیں جاتا تھا۔ سب کے جیب و دامن بے طرح کسے ہوئے تھے۔

احمد کہتے ہیں کہ میں جس ہرن کو چرا لایا تھا امیر المومنین کی والدہ نے اُسے پھر جیسا کا تیسا بنا کے ٹھیک کر دیا۔ اتفاق سے کچھ دنوں کے بعد مجھے وہ فرش پھر ایک بار دیکھنے کو مل گیا تو میں نے اسی ہرن کو دوبارہ اُڑا لیا۔ اور اب کی مرتبہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہو سکی۔

احمد کہتے ہیں کہ میں نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس ہرن کو بیچا تھا جس پر بھی مجھے بیس ہزار اشرفیاں مل گئی تھیں۔

۲۳۔ بیوقوف مگر ایماندار حاکم

خلیفہ ہارون رشید کے زمانے میں علیسیٰ بن صالح ایک بہت بیوقوف قسم کے آدمی تھے۔ اُن کی بیوقوفیاں نہ صرف ان کے خاندان میں بلکہ سارے شہر میں ضرب المثل کے طور پر مشہور تھیں۔

معلوم نہیں کیا صورت پیدا ہوئی کہ ایک مرتبہ انھیں قنسرین کی گورنری پر مامور کر دیا گیا۔ انھیں قنسرین پہونچے ابھی کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ ایک دن آدھی رات کے وقت وہاں کے کسی مسلمان رئیس کو بلا بھیجا۔ وہ بیچارہ سمجھا کہ شاید کوئی

اہم بات پیش آگئی ہے یا دار الخلافت سے کوئی فوری جواب طلب ہو گیا ہے دوڑ کے حاضر ہو گیا۔

پہرے کے سپاہیوں سے لے کر اندر تک ایک ایک سے اس نے اپنے بلائے جانے کا سبب پوچھا مگر کوئی کچھ نہیں بتا سکا۔ اسی گھبراہٹ میں لمبی لمبی سانسیں لیتا ہوا اس کمرے کے بھی قریب پہونچ گیا جہاں گورنر صاحب سکونت پذیر تھے۔

گورنر صاحب نے اسے دیکھتے ہی اندر بلا لیا کہ "یہیں چلے آؤ کوئی اور نہیں ہے"۔ وہ اندر پہونچا تو دیکھتا ہے کہ گورنر صاحب اپنے بچھونے پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اسے پاس بٹھا کے کہنے لگے۔

"آج مجھے بڑی بے چینی ہے اتنی رات آگئی اور پلک سے پلک نہیں لگی ہے یہ سنتے ہی اس نے عرض کیا "خیر تو ہے؟ تو کہنے لگے" ہاں! کوئی گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ بس ہوا یہ کہ آج شام کو اچانک میرے دماغ میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ اگر خدا جنت میں مجھے حور بنا کر حضرت یوسف عؑ کی زوجیت میں دیدے تو کیا ہوگا؟ بس یہی بات رہ رہ کے شام سے میرے دماغ کو پراگندہ کئے ہوئے ہے"۔ وہ رئیس کہتا ہے کہ مجھے ان کی اس بات سے غصہ تو بہت آیا مگر ندرت خیال کو سوچکر ایک دم ہنسی آگئی اور برجستہ میری زبان سے نکل گیا کہ حور بن جانے کے بعد زوجیت کے لئے آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بجائے آنحضرت کی ذات گرامی کو کیوں نہیں تجویز کیا؟

فرمانے لگے "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے اس بات کو سوچنے سے چھوڑ دیا ہوگا، نہیں۔ میں نے مسلسل اس کے اوپر کبھی اپنا خیال جمانے کی کوشش کی مگر اس ڈر سے کہ کہیں میری یہ حرکت حضرت عائشہ کو نہ برانگیختہ کر دے میری ہمت شکست ہو گئی۔

۲۴، مُردے کی طرف سے دعوت

ایک مرتبہ کچھ لوگ کسی سخی آدمی کی قبر پر فاتحہ پڑھنے گئے ہوئے تھے کہ رات آگئی اور سب کو قبرستان ہی میں رہ جانا پڑا۔

قبرستان میں کھانا کہاں؟ سب کو یوں ہی فاقے سے رات کاٹنا پڑی۔ جب کافی رات گذر گئی اور سب سو گئے تو کسی نے خواب میں دیکھا کہ وہ بزرگ قبر سے باہر نکل کے آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ میرے پاس ایک بہت عمدہ اونٹنی ہے اگر نامناسب نہ ہو تو اپنے اونٹ سے اس کا تبادلہ کر لو" خواب ہی میں یہ شخص راضی ہو گیا اور اپنا اونٹ ان کے حوالے کر دیا اور انہوں نے بھی اُسے اسی وقت نیزہ مار کر ذبح کر دیا![ع]

ع اونٹ کو ذبح ہی اسی طرح کیا جاتا ہے کہ اس کی گردن میں بڑا سا نیزہ لیکر کھب نکر دیتے ہیں اور اس سے خون جاری ہو جاتا ہے اور اتنا بہہ جاتا ہے کہ وہ گر کر ٹھنڈا ہو جاتا ہے ۱۲

بات یہیں تک پہونچنے پائی تھی کہ اچانک ایک شور سے سب جاگ پڑے۔ اٹھ کے دیکھا تو اونٹ بلبلا رہا تھا اور اس کی گردن سے خون کا فوارہ چھوٹا ہوا تھا۔ بہرحال اونٹ کے زخمی ہو جانے سے سب نے اسی کا گوشت بھون بھون کے خوب کھایا اور سب کے پیٹ بھر گئے۔

صبح کو یہ لوگ قبرستان سے باہر نکلے ہی تھے کہ ایک آدمی ایک اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے دوڑا چلا آرہا ہے۔ قریب آکر خواب دیکھنے والے کا نام پوچھنے لگا اس نے آگے بڑھ کر سبب پوچھا تو کہنے لگا۔

میں اس متوفی کا لڑکا ہوں اور یہ اونٹنی ان ہی کی ہے۔ آج شب میں میں نے انھیں خواب میں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اگر واقعی تم میرے لڑکے ہو تو میری اونٹنی فلاں شخص کو قبرستان میں جا کے حوالے کر آؤ۔ وہ اپنے کئی ساتھیوں کے ساتھ میری قبر پر فاتحہ پڑھنے آیا تھا۔ اور رات آگئی اور سب کو بھوکا وہیں رہ جانا پڑا۔ یہ چیز میری عادت کو اچھی نہیں معلوم ہوئی اور میں نے خواب میں آکر اس کے اونٹ کے عوض میں اپنی اونٹنی اسے دیدی اور اس کا اونٹ ذبح کر کے ان ہی سب کو کھلا دیا ہے لہذا یہ وہی اونٹنی لایا ہوں۔ اسے قبول کر لو۔

۲۵، دشمن سے سلوک

امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے پاس ایک دن کچھ مصاحب

بیٹھے ہوئے جنگ صفین[۱] کا ذکر کرنے لگے۔ اسی درمیان میں کسی نے حضرت زرقار بنت عدی رضؓ کا تذکرہ بھی چھیڑ دیا اور سب ان کی آگ لگا دینے والی تقریروں اور میدان جنگ کی خدمات پر طنز کے ساتھ تبصرہ کرنے لگے۔

جب وہ لوگ کہتے ہی چلے گئے اور کسی طرح چپ ہی نہیں ہوئے تو حضرت معاویہؓ پوچھنے لگے "آخر اس سے تم لوگوں کا منشا کیا ہے؟ اور میں ان کے متعلق کیا کر ڈالوں؟ ان لوگوں نے جواب دیا "ایسی زبان دراز اور کھلم کھلا ہم لوگوں کو شدید نقصانات پہونچانے والی عورت کو ایک دم فنا کے گھاٹ اتار دینا چاہیئے"

ان لوگوں کا اس طرح مشورہ دینے پر حضرت معاویہ رضؓ کو غصہ آگیا ۔لعنت و ملامت کے انداز میں کہنے لگے ۔ کیا تم لوگ میرے متعلق یہ شہرت دلوانا چاہتے ہو کہ لڑائی کا مقصد حاصل ہو جانے کے بعد میں نے اپنے ہاتھ ایک عورت کے خون میں رنگین کر ڈالے ہیں۔ میں تم لوگوں کے کہنے سننے سے ایسی کمینگی کی بات بالکل نہیں کر سکتا۔

---

[۱] جنگ صفین عہد اسلام کی دوسری جنگ ہے جو مسلمانوں کے آپس ہی میں ہوئی تھی۔ اس لڑائی میں ایک طرف امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ تھے اور دوسری طرف حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) اور طرفین سے ہزاروں پاک لوگ شہید ہو گئے ۱۲

اس کے بعد اپنے پیشکار کو بلا کر کوفہ کے گورنر کے نام یہ حکم لکھوا کے بھیج دیا کہ "حضرت زرقا، رضا اور ان کے کنبے کے لوگوں کو فوراً یہاں بھیجدو لیکن اس کا لحاظ رہے کہ راستے میں انھیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ بہت آرام دہ سواری ہو اور پردہ وغیرہ کا معقول انتظام کر دیا جائے۔

کوفہ کے گورنر نے ایسا ہی کیا اور وہ دمشق میں حضرت معاویہ رضؓ کے پاس آگئیں۔ راوی کا بیان ہے کہ جب یہ حضرت معاویہ رضؓ کے پاس آئی ہیں تو وہ بڑے تپاک سے پیش آئے۔ اور خالہ، خالہ کہہ کر دیر تک راستے کی تکلیفیں وغیرہ دریافت کرتے رہے۔ اس کے بعد باتوں باتوں میں جنگ صفین کا ذکر چھیڑ کر پوچھنے لگے۔

"خالہ! کیا آپ اس دن کسی سرخ اونٹ پر سوار ہو کر حضرت علیؓ کے لشکریوں کو جوش دلاتی پھرتی تھیں"؟

انہوں نے اقرار کیا کہ ہاں ٹھیک ہے!

پھر امیر المومنین نے وجہہ پوچھی تو کہنے لگیں۔

"جس کے لئے یہ سب پاپڑ بیلے تھے افسوس ہے کہ اب دنیا اس کے سایہ سے محروم ہو چکی ہے" پھر فرمایا: "امیر المومنین! دنیا بڑی خراب جگہ ہے کوئی سمجھنے والا ہو تو اس کی کارروائیاں معلوم ہوتی ہیں اب یہی دیکھئے کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا؟

امیرالمومنین بولے " خالہ آپ بالکل ٹھیک کہتی ہیں۔ اچھا! آپ کو اپنی تقریروں کے کچھ الفاظ بھی یاد ہیں ؟

انہوں نے جواب دیا کہ " اب اس واقع کو دن بہت ہو چکے ہیں۔ تفصیلات یاد نہیں آتیں !

پھر آپ نے خود اُن کی تقریروں کے کچھ فقرے یاد دلائے " مثلاً کہیں سورج کے آگے بھی کوئی چراغ کی روشنی قبول کر سکتا ہے۔ یا مثلاً ستارے چاند ہی سے روشنی پاتے ہیں! یا مثلاً کہیں خچر بھی گھوڑے سے افضل ہو سکتے ہیں ؟ یا لوہا لوہے سے کٹتا ہے یا ہم لوگ حق پر نہیں اور معاویہؓ اور ان کے ساتھی گمراہ ہیں۔ یا مومن بھی کہیں منافق کے برابر قرار دیا جا سکتا ہے ؟ یا عورتیں اپنے ہاتھ مہندی سے رنگین کرتی ہیں، مردوں کو اپنے ہاتھ خون سے رنگین کرنا چاہئیں "

یہ اور اسی قسم کے بہت سے فقرے دہرا کر آپ نے اُن سے سوال کیا کہ کیا یہ فوجیوں کا دل بھڑکا دینے والا اور میدان جنگ میں آگ لگا دینے والا کام نہیں تھا ؟

انہوں نے سب باتوں کا اقرار کیا اور صاف کہہ دیا کہ " میں آپ سے اپنے خلاف کسی شکایت کی صفائی نہیں دینا چاہتی "

اسی کے ساتھ یہ بھی فرما دیا۔

" اب تو حضرت علےؓ اس دنیا سے تشریف ہی لے جا چکے ان کے لئے تو جتنا بھی رنج کیا جائے کم ہے۔ مگر خیر اب مسلمانوں کو اسی بات کا شکر ادا

کرنا چاہیئے کہ اس نے آپ جیسی ہستی کو برسر اقتدار کر دیا ہے۔ کاش آپ ہی کی ذات تا دیر ہم لوگوں کے سروں پر قائم رہے۔"

آخر میں حضرت معاویہ رضؓ ان سے پوچھنے لگے۔

"خالہ! آپ کو میری یہ باتیں ناگوار تو نہیں گذریں؟ انہوں نے کہا "نہیں، اس میں ناگواری کی کیا بات ہے؟

حضرت معاویہ رضؓ نے تعجب کے لہجے میں یہ بھی کہا کہ "تم لوگ حضرت علی رضؓ کی وفات کے بعد بھی ان کی اتنی وفادار اور مخلص ہو۔ یہ چیز واقعی بڑی عبرت اور قدر کے لائق ہے۔"

اس کے بعد آپ ان سے ان کی خواہشات اور ضروریات پوچھنے لگے تو انہوں نے صاف جواب دیدیا "اے معاویہ رضؓ! میں نے حضرت علی رضؓ کی وفات کے بعد قسم کھالی ہے کہ اپنی ضروریات کسی سے نہ بیان کروں گی۔"

آپ یہ ساری گفتگو اپنے ان تمام مشیروں کے سامنے ہی کر رہے تھے جنہوں نے اس دن حضرت زرقاء رضؓ کے قتل پر اکسایا تھا اشارے ہی اشارے میں آپ انھیں حضرت زرقاء کی سچائی اور خلوص کی طرف بھی غصہ کے ساتھ متوجہ کرتے جاتے تھے۔

حضرت زرقاء رضؓ آپ کے غصہ کو بھی سمجھ گئیں کہنے لگیں "اگر کہیں خدا نخواستہ آپ نے ان لوگوں کی بات مان لی ہوتی تو آج آپ کا شمار بھی اُن ہی میں

ہونے لگتا۔"

آپ بولے:" واہ! یہ بھی کہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے تمہیں سب معاف کر دیا اور جس قدر بھی ہو سکے گا انعام واکرام سے سرفراز ہی کرتا رہوں گا۔"

پھر بہت سے قیمتی کپڑے، نقد روپیہ، پیسہ اور دس ہزار روپیہ سالانہ کی ایک جاگیر بطورِ معافی کے ان کے نذر کی اور جب کوفہ جانے لگیں تو گورنر کوفہ کو یہ ہدایت لکھ کے روانہ کی کہ ان کو اور ان کے خاندان والوں کو کبھی کوئی تکلیف نہ ہونے پائے

۲۶۔ نجومی کی وصیّت کا خیال

کافور اخشیدی والی مصر وشام ایک دن دوپہر کو کچی نیند سے اٹھ بیٹھا اور سپاہیوں کو بجاروں کے محلّے کی طرف یہ معلوم کرنے کے لئے دوڑایا کہ وہاں جو کانا نجومی بیٹھا کرتا تھا زندہ ہے یا مر گیا۔ اگر زندہ ہو تو بلا لائیں اور اگر مر گیا ہے تو یہ تحقیق کرائیں کہ اس کی کتنی اولادیں ہیں اور کیا کاروبار کرتی ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد ان لوگوں نے آکر بتایا کہ نجومی کو تو مرے ہوئے بھی کافی دن بیت چکے ہیں البتہ اس کی دو لڑکیاں اس وقت زندہ ہیں جس میں سے ایک بیوہ ہو چکی ہے اور دوسری اپنی سسرال گئی ہوئی ہے

یہ سنتے ہی کافور نے دونوں لڑکیوں کو بلا بھیجا۔ آتے ہی پہلے تو بیوہ کا نکاح کرایا، اس کے بعد دونوں بہنوں کی نقد رقم سے امداد کرتے ہوئے ایک ایک مکان بھی رہنے کے لئے مہیا کر دیا۔

جس وقت اس کارروائی کی تکمیل ہو رہی تھی کافور نے ہنس ہنس کے خود یہ بتایا کہ" ایک دن جب میں بنو عباس کے زمانے میں بہت ہی خراب و خستہ کلرک کی زندگی گذار رہا تھا ان ہی لڑکیوں کے باپ منجم کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا وہ مجھے دیکھتے ہی کچھ مانگتے ہوئے پکار اٹھا کہ" عنقریب تم دنیا کے ایک بڑے بھاری دولت مند آدمی ہو جاؤ گے۔ میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو صرف دو روپیہ نکلے۔ وہی میں نے اس کے آگے ڈال دیئے۔ مگر اس نے یہ کہہ کر کہ "میں نے تمہیں اتنی بڑی خوشی کی بات سنائی ہے اور تم یہ دو ٹکلیاں تھما کر ٹال دینا چاہتے ہو"

پھر اس نے یہ بھی بتایا کہ میں ہی ان تمام شہروں پر ایک دن حکمرانی کروں گا خلاصہ یہ کہ اس نے مجھ سے وعدہ لے لیا تھا کہ"جب میری بتائی ہوئی بات پوری ہو جاوے تو تم میری یا میں نہ ہوں تو میری اولاد کی پرورش کرتے رہو گے"

خدا کا کرنا کہ اس کی بتائی ہوئی ایک ایک بات پوری ہوئی اور اس وقت کا یہ کلرک (اپنی طرف اشارہ کر کے) آج تخت حکومت پر بیٹھا راج کر رہا ہے مجھے اپنا وعدہ اور اس کا یہ سب کچھ بتانا بالکل فراموش ہو گیا تھا۔ اب

آج اسی نے خواب میں آکر یاد دلایا، اسی لئے مجھے یہ سب کچھ کرنا پڑا ہے۔

۲۷۔ لڑکے کی قربانی

مشہور عربی شاعر امرء القیس کندی جب قیصر بادشاہ روم سے ملنے کے لئے جانے لگا۔ تو سموال بن عاریہ کے پاس اپنا تمام اثاثہ اور ہتھیار وغیرہ امانت کے طور پر رکھوا گیا تھا اور کہہ گیا تھا کہ اگر میں واپس آگیا تو خود لے لوں گا ورنہ میرے جائز وارثوں کے علاوہ کسی اور کو نہ دینا۔

اتفاق یہ کہ وہ وہاں جاتے ہی مرگیا اور اس کے قبیلے کے سردار نے اس کی امانتوں کی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ سموال نے جواب دیدیا کہ امرء القیس ایسا ایسا کہہ گیا ہے لہذا جبتک اس کے جائز وارث نہ آجائیں۔ میں اس کی چیزیں کسی دوسرے کو نہیں دے سکتا۔

اس پر سردار قبیلہ کو غصہ آگیا اور اس نے زور وسختی شروع کر دی یہاں تک کہ اپنے گروہ کے ساتھ سموال کے گھر کو آکے گھیر لیا۔

راوی کا بیان ہے کہ سموال اُسے اپنے جتھے کے ساتھ اس طرح آتا دیکھ کر گھر میں محصور ہو گیا۔ اور یہ بھی ایک اتفاق پیش آگیا کہ اس وقت سموال کا ایک لڑکا باہر گیا ہوا تھا وہ باہر ہی رہ گیا۔

دشمن کو بھی لڑکے کے باہر رہ جانے کی خبر ہو گئی۔ معلوم نہیں کہاں سے وہ لوگ اسے ڈھونڈھ لائے اور سموال کو پکار کر بولے۔ "اب بھی اگر تو وہ سب مال ہمارے حوالے نہ کردے گا۔ تو ہم تیرے لڑکے کو زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔ مگر اس نے پھر بھی انکار کر دیا اور کہلوا دیا کہ "اگر تم میرے سارے گھرانے کو بھی مار ڈالو تو میں امانت میں خیانت اور وعدے کے خلاف نہیں کر سکتا"۔

چنانچہ ان لوگوں نے کئی بار آگاہ کر دینے کے بعد لڑکے کی کُھٹی کُھٹی کر ڈالی اسی اثنار میں حج کا موسم آگیا اور سموال کو خبر لگی کہ امرءالقیس کے کچھ جائز ورثار بھی حج کرنے آئے ہوئے ہیں تو اس نے ان لوگوں کو بلوا کر اس کی امانتیں ان کے حوالے کر دیں۔

اس واقعہ کی بنا پر آج تاریخ میں سموال کا نام امانت داری اور وفائے عہد کے ذیل میں جلی سرخیوں کے ساتھ لکھا نظر آرہا ہے۔

۲۸، وفادار بی بی

مروان بن حکم کی عدالت سے ہدبہ بن خشرم کو سرکاری بغاوت کے جرم میں قتل کا حکم ہوا تھا۔

راوی کا بیان ہے کہ جب اُسے گردن مارنے کے لئے میدان میں لاکر

کھڑا کیا گیا۔ تو اس کی بی بی دور سے دوڑتی ہوئی آئی اور عدالت سے کہنے لگی ایک ذرا دیر کے لئے اس کارروائی کو روک دیجئے، میرے پاس اس کی کچھ امانتیں ہیں وہ میں اس کے سپرد کر دوں تو بڑی مہربانی ہوگی۔"

مروان نے اس کی یہ خواہش منظور کر لی، اس نے اسی وقت بھاگی ہوئی ایک قصائی کے یہاں آکر چھری مانگی، قصائی نے چھری دینے میں تامل کیا تو جیب سے دو روپیہ نکال کے اس کے آگے ڈال دیئے اور کہنے لگی "گھبرائے کیوں جاتے ہو؟ ابھی چند منٹ میں تمہاری چھری تمہیں واپس لا کر دیدونگی۔"

بہرحال وہ اس سے چھری لے کے وہیں کہیں آڑ میں آئی اور جھٹ سے اپنے دونوں ہونٹ اور ناک کاٹ کر کپڑے میں باندھ لی اور پھر اسی طرح خون میں لت پت چادر سے منہ چھپائے قصائی کو پہلے چھری آکے واپس کی اور پھر اپنے شوہر کی قتل گاہ پر حاضر ہوگئی۔

جیسے ہی لوگوں نے اس کا چہرہ دیکھا ہے تو سب حیران رہ گئے کہ ابھی تو یہ عورت اچھی خاصی یہاں سے گئی تھی چند ہی منٹ میں یہ کیا حلیہ بنا لائی ہے نہ تو اس کے منہ پر ہونٹ تھے اور نہ منہ پر ناک، سارا بدن خون سے شرابور تھا اور یہ کٹے ہوئے اعضا جو ایک الگ کپڑے میں بندھے ہوئے تھے اپنے شوہر کے سامنے پھینک کر کہنے لگی۔

"اب اطمینان سے رخصت ہو! میں نے یہ اس لئے کر دیا ہے کہ تیرے

بعد کوئی میری طرف نگاہ بھی نہ اٹھا کر دیکھے"

ہدبہ بھی اس کی اس کارروائی پر بہت خوش ہوا۔ بے ساختہ بول اٹھا "جزاک اللہ" اب میرا دم آسانی سے نکل جائے گا۔ ورنہ بڑی مشکل پیش آتی

حسد کا جواب علم و عقل سے

ایک دن امام ابو حنیفہ رح شاہی دربار میں بیٹھے ہوئے تھے اور پورا دربار عمائد شہر اور مصاحبین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا کہ خلیفہ کے منھ چڑھے مصاحب فضل بن ربیع جو امام صاحب رح سے ان کی قدوسیت و بزرگی اور عالم گیر شہرت کی بنا پر ہمیشہ جلا کرتا تھا۔ امیر المومنین سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"حضور! یہ آپ کے دادا عبداللہ بن عباس رض کے فتوے کے خلاف فتویٰ دیا کرتے ہیں"

اور بات کی وضاحت کرتے ہوئے بولا کہ "ان کا قول تو یہ تھا کہ جو شخص قسم کھا کر کسی چیز کو مستثنیٰ کر لے تو جائز ہے اور یہ یہ کہتے ہیں کہ قسم کے ساتھ ہی اگر استثنا نہیں کیا ہے تو وہ استثنار باطل ہو گا۔

بات تھی ذرا چبھتی ہوئی اور ہو سکتا تھا کہ شاہی مزاج میں برہمی پیدا ہو جاتی کہ امام صاحب رح نے برجستہ جواب دیدیا۔

امیرالمومنین! ربیع کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ساری رعایا اور فوج
حلف وفاداری اٹھا لینے کے بعد بھی غداری کرتی رہے۔ اور شرعاً اس پر کوئی
سزا بھی نہ عائد ہو۔

امیرالمومنین حیرت سے پوچھنے لگے، وہ کیسے؟ تو امام صاحب نے جواب
دیا کہ میں اگر فوراً استثنار کا حکم نہ لگا دیتا تو ادھر لوگ حلف وفاداری اٹھا کر
نکلتے اور ادھر استثنار کرکے عہد شکنی کے مجاز ہو جایا کرتے۔"

یہ تصریح سنتے ہی امیرالمومنین مسکرانے لگے اور ربیع سے بولے۔

"بھائی! ابو حنیفہ رح سے ہر وقت نہ بھڑا کرو"

۳۰۔ چرب زبان بڈھے کی جیت

عباسی خلیفہ منصور کا غلام ربیع کہتا ہے کہ ایک دفعہ خلیفہ کو کسی بوڑھے
آدمی کے متعلق یہ خبر لگی کہ اس کے پاس سابق شاہی خاندان بنی امیہ کے بہت
سے قیمتی سامان امانت کے طور پر محفوظ ہیں۔

اس کا پتہ چلتے ہی منصور نے اس بڈھے کو میرے ہاتھ پکڑوا بلایا۔
جیسے ہی وہ سامنے آکے کھڑا ہوا ہے امیرالمومنین نے اس سے کہا کہ مجھے
تمہارے متعلق ایسی ایسی رپورٹ ملی ہے لہٰذا خیریت اسی میں ہے کہ وہ سب

چیزیں مجھے لاکے دیدو، میں وعدہ کرتا ہوں کہ جو چیزیں میرے کام کی ہوں گی وہ میں رکھ لوں گا۔ باقی سب کو تمہاری ملکیت میں داخل کر دوں گا۔"

یہ سنتے ہی بڈھے کے تیور بدل گئے، کڑک کر بولا۔ آپ ان چیزوں کو مجھ سے کس حق کی بنا پر مانگ رہے ہیں، کیا آپ ان کے وارث ہیں؟

ربیع کہتا ہے کہ بڈھے کے اس سوال پر منصور بالکل دم بخود ہو کے رہ گیا۔ پھر کچھ سوچ کر کہنے لگا۔

"میں تم سے وہ ذخیرہ اس لئے لینا چاہتا ہوں کہ اس خاندان کے لوگوں نے یہ سب چیزیں مسلمانوں سے جبراً قہراً حاصل کی تھیں اور اب چونکہ میں مسلمانوں کا جائز وکیل و محافظ ہوں تو چاہتا ہوں کہ ان کا غصب شدہ مال ان کے اصلی خزانے (بیت المال) میں پھر لاکے جمع کر دوں۔"

منصور کے اس مدلل جواب پر بھی بڈھے کی زبان چپ نہیں ہوئی۔ کہنے لگا۔ "اس کا آپ کو کھلی ہوئی عدالت میں ثبوت دینا ہوگا اور بتانا پڑے گا کہ بنو امیہ کا پورا خاندان اور اس کا ہر فرد خائن و غاصب تھا اور میرے پاس ان کی جو امانتیں محفوظ ہیں وہ سب اسی طریقہ سے حاصل کی ہوئی ہیں۔

اس کے ان فقروں پر امیر المومنین نے اپنا سر جھکا لیا اور چپکے چپکے مجھ سے کہنے لگے۔ "ربیع! یہ بڈھا بڑا چرب زبان ہے ایسا آدمی آج تک میری نظر سے نہیں گذرا تھا۔ اب سوائے اس کے کہ نلّوں چھوڑ دوں اور کیا کیا

جاسکتا ہے ؟

اس کے بعد فوراً اسے چھوڑ بھی دیا گیا۔

۳۱، اچھوں کی خفگی اور میل

ایک مرتبہ حضرت عمر رضؓ کی عدالت میں کسی بازاری آدمی نے حضرت علی رضؓ کے خلاف کوئی استغاثہ دائر کر دیا، اور اتفاق سے خود حضرت علی رضؓ بھی اس وقت وہیں بیٹھے ہوئے تھے۔ استغاثے کو سنتے ہی آپ نے حضرت علی رضؓ کو ان کی کنیت "ابوالحسن" کے ساتھ پکار کر حکم دیا کہ مدعی کے برابر ہی آ کے کھڑے ہو جاؤ اور اس شخص کے دعوے کا جواب دو۔

مجبوراً حضرت علی رضؓ کو اس عامی آدمی کے برابر آ کے کھڑا ہونا پڑا۔ حضرت عمر رضؓ نے اپنی فراست سے تاڑ لیا کہ یہ بات حضرت علی رضؓ کو ناگوار گذری ہے۔ چنانچہ جب مقدمہ فیصل ہو گیا تو آپ نے حضرت علی رضؓ کو الگ بلا کر اس خفگی کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے صاف بتا دیا کہ آپ کا یہ طریق کار مجھے ضرور ناگوار ہوا ہے۔

حضرت علی رضؓ کی زبان سے اقراری الفاظ سنتے ہی آپ نے ان کی پیشانی کو محبت سے چومتے ہوئے فرمایا "اے علی رضؓ! یہ ساری تعلیم و تربیت تو

تمہارے ہی گھر سے مجھے حاصل ہوئی ہے۔ کم سے کم تم کو تو اس پر غصہ نہ ہونا چاہیئے"

اس کے بعد پھر دونوں اسی طرح گھل مل گئے۔

۳۲۔ سرکار کے خلاف دعویٰ

ایک دن عین اس وقت جبکہ خلیفہ مامون رشید قاضی یحییٰ بن اکتم رح کے یہاں آئے ہوئے تھے کسی شخص نے خود امیر المومنین ہی کے خلاف تیس ہزار کی مالیت کا دعویٰ دائر کر دیا۔

قاضی یحییٰ نے فوراً سارے آداب شاہی برطرف کر دیئے اور امیر المومنین کو حکم دیا کہ مدعی کے برابر ہی کھڑے ہو کر جواب دہی کریں۔

چونکہ مدعی کے پاس ثبوت کافی نہیں موجود تھا اس لئے عدالت نے شرعی قانون کے مطابق حلف اٹھانے کا حکم دیا۔

امیر المومنین نے مقدمہ کی کارروائی میں حصہ لئے بغیر اسی وقت تیس ہزار روپیہ کی ادائیگی کا بندوبست کر دیا اور قسم کھا کر کہنے لگے۔

میں یہ رقم کسی حقیقت یا ڈر کی وجہ سے نہیں دے رہا ہوں بلکہ محض اس خیال سے دے رہا ہوں کہ پبلک کو یہ بدگمانی نہ پیدا ہو جائے کہ شاید میں نے

حکومت کے زور میں فیصلہ اپنے موافق کرا لیا ہو گا۔ ورنہ ابھی ثابت ہو جاتا کہ یہ واقعہ قطعی غلط تھا۔

اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ قاضی صاحب کو بھی ان کے عدل والضاف اور اصول دیانت و مساوات پر عمل پیرا ہونے کے صلے میں کافی انعامات وغیرہ عطا کئے۔

۳۳۔ انصاف کی ظاہری برکت

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رح کو گورنر عراق نے لکھ کے بھیجا کہ شہروں کی تعمیری حالت روز بروز ابتر ہوتی جا رہی ہے اور اس سے آمدنی پر بھی اثر پڑ رہا ہے۔ لہٰذا اگلی سال اس مد میں کچھ زیادہ بجٹ منظور فرما دیا جائے۔

امیر المومنین نے یہ درخواست قطعاً نامنظور کر دی اور لکھ بھیجا "اپنے شہر کو عدل والضاف قائم کر کے بارونق بناؤ"۔

اس پر حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ فاروق اعظم رض کے زمانے میں عراق کی سالانہ تحصیل وصول ایک کروڑ سینتیس لاکھ تھی جو گھٹتے گھٹتے حجاج کے وقت میں صرف اٹھارہ ہزار رہ گئی تھی۔ لیکن آپ کی خلافت میں جو آمدنی بڑھنا

شروع ہوئی ہے تو پہلے ہی سال تیس لاکھ روپیہ ہو گیا اور دوسرے سال میں ساٹھ لاکھ۔ اس پر بھی آپ اکثر کہا کرتے تھے کہ" اگر میں زندہ رہ گیا تو عراق کا مالیانہ فاروق اعظم رض کے مالیانے تک پہونچا کے دم لوں گا۔"
مگر بدقسمتی سے تیسرے ہی سال آپ کی وفات ہو گئی۔

۴۳، چور کی نئے انداز پر گرفتاری

ایک چور کسی مالدار کے گھر میں دیوار پھاند کر روشن دان سے جھانک رہا تھا کہ اگر سب سو رہے ہوں تو اپنا کام شروع کروں۔
اتفاق سے اس وقت پورے گھر میں سوائے دو بڈھے میاں بیوی کے اور کوئی بھاگی نہیں۔ وہ دونوں جاگ ہی رہے تھے کہ روشن دان سے چور کی صورت پر نظر پڑ گئی۔ دونوں سمجھ گئے کہ یہ چور ہے اور چوری کرنے کے لئے آیا ہے۔

تھے دونوں بہت ہوشیار، بی بی مرد سے پوچھنے لگی۔
" اچھا یہ تو بتاؤ کہ اتنا مال و دولت تم لائے کہاں سے؟
مرد بولا" اصل قصہ یہ ہے کہ میں پہلے چوری کا پیشہ کیا کرتا تھا ایک دن ایک مالدار کا گھر پھاند کے گھسا ہی تھا کہ سامنے روشن دان نظر پڑ گیا

میں اُسے دیکھتے ہی وہیں دبک کے بیٹھ گیا اور انتظار کرنے لگا کہ ذرا چاندنی

پھیل جائے تو اپنا کام شروع کروں۔ چنانچہ جب چاندنی خوب پھیل گئی، تو

شولم، شولم کا نعرہ لگا کر بغیر کسی رسی وغیرہ کے اندر پھاند پڑا ایسا کرنے سے نہ تو

کہیں چوٹ چپیٹ آئی اور نہ کوئی جاگ ہی سکا۔ بہرحال اس طرح اطمینان کے

ساتھ میں اس گھر کی ساری جمع جتھا سمیٹ لایا۔

مرد کی زبان سے چور یہ قصہ سنتے ہی بڑا خوش ہوا کہ چلو یہ منتر بھی خوب

ہاتھ آیا، اور مال بھی کافی حاصل ہو جائے گا۔ چاندنی پھیلنے کا انتظار کرنے لگا۔

جب خوب روشنی ہو گئی تو بے دغدغہ "شولم، شولم" کا نعرہ لگا کر ایک دم

نیچے پھاند پڑا۔ جس سے سب ہڈی پسلی ٹوٹ کے بھرتہ ہو گئیں اور بغیر کسی محنت

کے اس پر قابو پا لیا گیا۔

۳۵، مہمانی کا نیا انداز

حضرت علی رض کے چھوٹے بھائی عقیل رض کہتے ہیں کہ یزید بن مہلب جب

عراق سے واسط جانے لگے تو میں نے اپنے کو ان کی مصاحبت کے لئے پیش کیا۔

یزید نے وعدہ کیا کہ اچھا واسط سے مجھے لوٹ آنے دو تو یاد دلانا۔ خاموش ہو کر

گھر واپس چلا آیا۔

کچھ دنوں کے بعد بعض دوستوں نے میری تکلیفوں کا احساس کر کے مجھ سے اصرار کیا کہ میں اب یزید کو اس کا وعدہ جا کے یاد دلاؤں۔ میں نے جواب بھی دیا کہ یزید نے اسی وقت بہت کم۔ وہ بچے میں وعدہ کیا تھا کیا خبر کہ پورا بھی کریں یا نہ کریں مگر احباب اصرار ہی کئے چلے گئے اور کہتے رہے کہ اتنے بڑے آدمی سے اور کن الفاظ کی توقع کی جا سکتی ہے۔

بہر حال سب کے کہنے سننے سے میں عراق کے لئے روانہ ہو گیا۔ جب اُن کے یہاں پہونچا ہوں اور رات ہوئی ہے تو کچھ قصہ گو آ گئے اور باتوں باتوں میں لونڈیوں کا تذکرہ چھڑ گیا۔ یزید مجھے دیکھ دیکھ کر اس ذکر کو اور زیادہ طول دیئے جا رہے تھے۔ بڑی مشکلوں سے باتوں کا سلسلہ بند ہوا اور سب ... اپنی اپنی جگہ پر سونے کے لئے چلے گئے۔

میں بھی جیسے ہی اپنی قیام گاہ پر پہونچا ہوں، یزید کا ایک نوکر دس ہزار روپیہ کی ایک تھیلی اور ایک بہت ہی خوبصورت لونڈی ہر قسم کے زیور سے آراستہ پیراستہ اور کمرہ بھر کا بیش قیمت فرش وغیرہ لے کے آ پہونچا۔

حضرت عقیل رضؓ کہتے ہیں کہ میں عراق میں دس دن رہا تھا اور ہر دن اپنی قیام گاہ پر پہونچنے نہیں پاتا تھا کہ ایک لونڈی دس ہزار روپیہ اور مکان کا فرش وغیرہ میرے یہاں پہونچ جاتا تھا۔

دسویں دن مجھ سے رہا نہیں گیا اور میں ان سے کہہ ہی بیٹھا کہ "اب تو آپ کے

یہاں سے مجھے کافی و وافی رقم مل چکی ہے اجازت دیجئے کہ وطن واپس ہو جاؤں اور وہاں آپ کے حالات بیان کر کے دوستوں کو خوش اور دشمنوں کے لئے حسد کی بھٹّی میں سلگنے کا سامان مہیّا کروں“

میری زبان سے یہ الفاظ سنتے ہی یزید بول اُٹھے۔

”عقیل! دو باتوں کی عادت میری بہت پرانی ہے۔ کوئی ساتھ رہتا ہے تو دوستی کا حق ادا کرتا رہتا ہوں۔ دور ہو جاتا ہے تو مال و دولت سے اس کا دامن بھر دیتا ہوں“

میں نے عرض بھی کیا کہ اب اس سے زیادہ اور دیا بھی کیا جا سکتا ہے تو بولے عقیل! یہ تو تمہارے تکلیف کر کے یہاں آنے اور میری مہمانی کرنے کا ایک رسمی دستور تھا۔

چنانچہ چلتے وقت انھوں نے اپنی شان کے مطابق اور میرے وہم و گمان سے بہت زیادہ ایسی ایسی چیزیں اور اتنی رقم میرے ہمراہ کی کہ میں اُسے کبھی بھول نہیں سکتا۔

۳۶، خُدائی بدلہ

اللہ کی ایک بندی کھانا نکال کے بیٹھی ہی تھی کہ کسی اندھے فقیر نے دروازے

پر آکے دستک دیدی۔ وہ اس کی صدا سنتے ہی بے چین ہوگئی اور اپنا سارا کھانا خود اپنے ہاتھوں سے اُسے جا کے کھلا آئی۔

یہ رات کا واقعہ ہے۔ رات بھر کے فاقہ کے بعد جب دن ہوا تو اپنے چھوٹے بچے کو کھیت پر لئے چلی گئی۔ اور جیسا کہ ہمیشہ سے عادت تھی بچہ کو ایک گوشہ میں لٹا دیا اور خود کام کاج میں لگ گئی۔

اسی اثنا میں سامنے کی جھاڑی سے ایک بھیڑیا نکلا اور بچے کو منھ میں دبا کے چل دیا۔ اسے جیسے ہی اس سانحہ کی خبر ملی ہے تو وہ بارگاہ الٰہی میں دعا کرنے کے لئے جھک گئی۔ ابھی اس کی دعا پوری نہیں ہونے پائی تھی کہ سامنے سے ایک انجان آدمی اسی بھیڑیئے کو زندہ پکڑ کے لے آیا۔

عورت کہتی ہے کہ بھیڑیئے کے منھ میں اب تک میرا بچہ ویسا ہی دبا ہوا تھا میں نے جھٹ سے آگے جا کر اس کے منہ سے اپنا بچہ باہر کھینچ لیا۔ دیکھا گیا تو بچہ بالکل صحیح و سالم اور ہشاش بشاش تھا۔

اس کے بعد جو شخص اس بھیڑیئے کو پکڑ کے لایا تھا یہ کہہ کر رخصت ہوگیا کہ اے اللہ کی بندی! یہ لقمہ تجھے ان لقموں کے عوض میں دیا جا رہا ہے۔ جو گذشتہ رات تو نے فقیر کے منھ میں ڈالے تھے۔"

۳۷ ۔ جنوں کی ہار

ایک پرندہ عرصۂ دراز سے کسی مکان کے اندر لگے ہوئے درخت پر اپنا جھونجھہ لگایا کرتا تھا۔ اور شبانہ روز محنت و مشقت کے بعد جب اس کے بچے کچھ کچھ اُڑنے کے قابل ہوجاتے۔ صاحب خانہ اپنی نئی نویلی دلہن کی دلبستگی کے لئے انھیں نکال لاتا۔

مجبور ہو کر ایک دن پرندوں نے اپنے پیغمبر حضرت سلیمان عہ سے آکر یہ سارا دکھڑا رویا اور عرض کیا کہ ہم تو بہت چاہتے ہیں کہ ہماری اولاد پلے بڑھے اور خدا کا مقدس نام اونچا کرنے میں ہاتھ بٹائے۔ مگر جب کبھی وہ کسی قابل ہونے لگتے ہیں گھر کا مالک ان کے ساتھ یہ ظلم کر بیٹھتا ہے۔

حضرت سلیمان عہ نے اسی وقت دو طاقتور جنوں کو اس کام پر مامور کر دیا کہ ابکی دفعہ جب ایسا ہونے لگے تو تم اس آدمی کی ٹانگیں چیر کے پھینک دینا۔

اللہ کا کرنا کہ چند ہی دن میں اس کا آشیانہ بچوں سے پھر آباد ہوگیا۔ مگر ابکی مرتبہ جب وہ آدمی بچوں کو اتارنے کے لئے درخت پر چڑھا ہے تو کسی فقیر نے بھیک کی صدا لگا دی۔ وہ چڑھتے چڑھتے نیچے اُتر آیا اور فقیر کو کھانا دے کر پھر جو آیا تو سیدھا درخت پر چڑھتا چلا گیا۔ اور حسب دستور بچوں کو پکڑ لایا۔

پرندوں کا جوڑا دور سے یہ سب الم انگیز منظر دیکھ رہا تھا اور دونوں کو

یقین تھا کہ اب اس آدمی کی خیریت نہیں ہے مگر جب اس کا بال تک بھی بیکا نہیں ہوا تو فوراً حضرت سلیمان ع کی خدمت میں حاضر ہو کر شکوہ کے انداز میں داد خواہ ہوا۔ حضرت سلیمان ع نے اسی وقت ان جنوں کو بلا کر عدول حکمی کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم دونوں حسب الحکم ٹھیک وقت پر پہونچ گئے تھے مگر جیسے ہی اپنا فرض ادا کرنا چاہا ہے بیچ میں دو فرشتے آکے حائل ہو گئے اور انہوں نے الٹا خود ہم کو ہی نیچے اٹھا کے پھینکدیا۔

۳۸، رحمت و عذاب کے فرشتوں میں جھگڑا

ایک ستر سالہ بڈھا دنیا کے تمام کھڑاگوں سے بالکل الگ تھلگ اپنے جھونپڑے میں بیٹھا خدا کی عبادت کیا کرتا تھا۔

جس زمانے کا واقعہ ہم بیان کر رہے ہیں کٹکٹی کے جاڑے پڑ رہے تھے اور اتفاق سے پانی کا بھی ہلکا سا ایک چھینٹا پڑ گیا تھا ایک اجنبی عورت آئی اور دروازہ کھلوانے لگی، بڈھا پہلے نوٹا لتا رہا۔ مگر جب وہ کسی طرح نہ مانی اور پکارے ہی چلی گئی تو مجبور ہو کر بڈھے نے اُسے اندر کر لیا۔

عورت نہ صرف جوان عورت بلکہ جوانی کے ساتھ حسن و جمال سے بھی کافی مالا مال تھی۔ آنکھیں چار ہوتے ہی بڈھے کے ہوش و حواس جاتے

رہے اور کچھ ایسا لٹو ہوا کہ زہد و تقویٰ اور اوراد و وظائف کی وہ تمام باتیں قصّہ پارینہ بن گئیں۔ اب وہ تھا اور یہ عورت تھی، اسی کا کلمہ ہر وقت اس کے وردِ زبان اور اسی کی گرم صحبتیں بالیدگیٔ رُوح کا سامان قرار پاگئیں۔

بڈھے کی اس فاتحانہ زندگی کو ابھی پورا اٹھوارہ بھی ہونے نہ پایا تھا کہ ایک دن اچانک قدرت نے اسے چونکا دیا۔ توبہ و استغفار اور شرم و ندامت یہاں تک بڑھی کہ اکثر روتے روتے بیہوش ہو جاتا اور گھگھی بندھ بندھ جاتی۔

ایک دن اسی عالم میں وہ اس عورت اور اپنی خانقاہ دونوں کو ہمیشہ ہمیش کیلئے خیر باد کہہ کر بے جانے بوجھے جنگل کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

پورا ایک دن اور پوری ایک رات جنگل کی خاک چھاننے کے بعد سخت بھوک اور پیاس کی حالت میں اندھوں کی ایک جھونپڑی کے پاس اُسے شام ہوئی۔

اِن اندھوں کی تعداد دس تھی۔ اور سب کی گذر بسر کے لئے قریب کا کوئی پادری روزانہ شام کو اپنے نوکر کے ہاتھ ایک ایک روٹی بھجوا دیا کرتا تھا اور بس۔

اتفاق کی بات کہ یہ بڈھا جوں ہی اندھوں کے پاس آکے کھڑا ہوا تھا پادری کا آدمی روٹی بھی لئے ہوئے آپہونچا۔ حسب عادت سب اندھے اُسے گھیر کے کھڑے ہوگئے جب سب کو روٹی دی جانے لگی۔ تو اس نے بھی بڑھ کے

ایک روٹی لے لی۔ اب جب وہ اندھا جس کے حصہ کی روٹی اس نے وصول کر لی تھی نوکر کے سامنے آیا تو نوکر جھنجھلا کے کہنے لگا۔ ابھی تو میں اپنے ہاتھ سے دس روٹیاں گن کے لایا تھا۔ اور وہ سب یہیں تم لوگوں میں بٹ چکی ہیں۔ اب میں گیارہویں کہاں سے لا کے دوں؟

یہ کلمات سنتے ہی صابر و شاکر اندھا یہ کہتا ہوا کہ" اچھا! آج کی رات میں یوں ہی بھوکا پڑ رہوں گا۔ اپنی جگہ پر آکے بیٹھ گیا۔

اندھے کے اس عاجزانہ الفاظ پر بڈھے کا دل بھر آیا روٹی لا کے دیتے ہوئے بولا۔ بھائی! تم کیوں بھوکے پڑے ہو۔ تم تو اپنے مالک کے مطیع و فرمانبردار بندے ہو۔ بھوکا رہوں تو میں کہ جس نے ایک نہیں متواتر سات راتیں انتہائی سرکشی اور خباثت کے عالم میں گذاری ہیں۔

بڈھا بھوک اور غم کی زیادہ تاب نہیں لا سکا اور صبح ہوتے ہی ہوتے اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

اس کے مرتے ہی رحمت و عذاب کے فرشتوں میں جھگڑا شروع ہو گیا عذاب کے فرشتے اسے اپنا کہہ کر دوزخ میں لے جانا چاہتے تھے اور رحمت کے فرشتے اپنا بتا کر جنت میں لے جانے پر مصر تھے۔ خدا کے حکم سے اعمال تولے گئے تو وہ ایثار اور ندامت و پشیمانی جو اندھے کو اس کے حصہ کی روٹی واپس دینے کے وقت پیدا ہوا تھا۔ آڑے آگیا ورنہ ملائکہ عذاب اپنے

دعوے کو کامیاب بنالے گئے تھے۔ بہر حال آخر وقت کی یہ ایک نیکی اس کے سارے بگڑے کام بنا گئی۔

۳۹۔ سچی محبت کا انجام

خلفائے عباسیہ کے زمانے میں عمر بن عبداللہ کوئی بہت بڑے سخی آدمی تھے ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ کسی آدمی کو روپیہ کی شدید ضرورت پیش آگئی۔ اور وہ اپنے محبوب ترین لونڈی کو ان کے ہاتھ بیچنے کے لئے مجبور ہو گیا۔

مالک کو اس لونڈی سے اتنی محبت تھی کہ اس کے احباب واعزا اسے لیلےٰ اور مجنوں کی مثالیں دے دے کر پھبتیاں کسا کرتے تھے۔

جب سب لکھا پڑھی مکمل ہو چکی اور رقم وصول کر کے لونڈی عمر بن عبداللہ کے سپرد ہونے لگی تو اس نے حسرت بھری نظروں سے اپنے سابق مالک کو دیکھ کر اس مفہوم کا شعر عربی میں پڑھا۔

" تم تو اپنا روپیہ پاکر مگن ہوگئے۔ مگر مجھے بتاؤ کہ میرے ہاتھ سوائے حسرت و غم کے اور کیا لگا۔ جب تک زندہ رہوں گی تمہاری جدائی کے زخم دانشدار کو سہا دیتی رہوں گی "

اس کا شعر سنتے ہی مرد بھی بیتاب ہو گیا۔ بولا " یہ بھی زمانے کی ایک کروٹ

ہے جس نے مجھے اپنی چھاتی پر پتھر کی یہ سل بھی رکھوا دی ، اور اگر کہیں میں ان حالات میں نہ پھنس گیا ہوتا تو سوائے موت کے اور کوئی چیز مجھے تم سے جدا نہیں کر سکتی تھی ۔"

یہ کہہ کر اس نے بہت ہی مایوسی کے انداز میں آخری سلام کا ہدیہ پیش کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر عمر بن عبد اللہ چاہیں گے تو تو خیر ، ورنہ اب نہ تو تم مجھے دیکھ سکو گی اور نہ میں تمہارے وصل سے شاد کام ہو سکوں گا ۔"

دونوں کی یہ الم انگیز رخصتانہ باتیں سن کر عمر بن عبد اللہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بغیر رقم لئے لونڈی اسی کے حوالے کر دی ۔

---

۸۰ ۔ جوانی اور دوستوں کی جدائی کی قیمت

خلیفہ مامون رشید کے مصاحبوں میں ابو الغیار نامی ایک بہت ہی غیور اور قابل آدمی تھے ۔ ایک مرتبہ ان کے یہاں فاقہ ہو گیا اور اس کا سلسلہ ایسا دراز ہوا کہ کئی دن تک ان کے اور ان کے بچوں کے منھ پر ایک کھیل تک اُڑ کے نہیں پہونچ سکی ۔ اسی حالت میں ایک دن چیف جج یحییٰ بن اکتم رحمہ نے انھیں یہ خبر آکے دی کہ آج امیر المومنین خود کچہری میں آکر مقدمات کی سماعت کریں گے تم بھی اگر ملنا چاہو تو میرے ساتھ چلے چلو ۔

اس کے بعد دونوں وہاں سے اٹھ کے ہائیکورٹ آگئے۔ امیر المومنین حسب دستور بڑی محبت اور تپاک سے پیش آئے۔ قریب بلا کے آنے کی وجہ دریافت کی تو عربی کے دو شعر انھوں نے پڑھ دیئے جس کا مفہوم یہ تھا۔
"میں نے آج تک کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ اور نہ کسی سے کبھی کوئی امید ہی باندھی بس صرف آپ کی ایک ذات ہے جس پر ہمیشہ تکیہ رہا، اور وہی تکیہ آج اس انداز میں میری زبان کھلوا رہا ہے آپ کو خبر ہے کہ امیدوار کے دین و دنیا میں بڑے حقوق گنائے گئے ہیں اور کہا گیا ہے کہ ان کا پورا کرنا ہر ایک پر ضروری ہے۔"

یہ اشعار پڑھ کر بہت مختصر لفظوں میں اپنی معاشی دقت بھی بیان کردی۔

ان کی باتیں سنتے ہی امیر المومنین نے سلامت غلام کو آواز دی اور پوچھا کہ "ہمارے ذاتی خزانے میں اگر تقسیم سے بچ گیا ہو تو ایک لاکھ روپیہ اسی وقت انھیں دیدو۔ اور پھر ہر مہینے اتنی ہی رقم ان کے گھر بھیجدی جایا کرے"

یہ رقم انھیں صرف گیارہ ہی مہینے تک ملی تھی کہ امیر المومنین کی وفات ہو گئی۔ اس حادثے کا انھیں بڑا غم ہوا۔ روتے روتے آنکھیں ایک چھالا اور ایک ناسور بن گئیں یہانتک کہ بینائی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔

صاحب زادوں اور اعزا نے سمجھایا بھی کہ "اب تو آنکھیں بھی جا چکیں مگر آپ ہیں کہ رونا نہیں چھوڑتے۔

یہ نصیحت سن کر آپ نے ایک شعر پڑھا جس میں کہا گیا تھا کہ " دو ہی چیزیں تو ایسی ہیں جن پر مرتے دم تک بھی اگر خون کے آنسو روتا رہوں تو ان کا حق نہیں ادا ہو سکتا - ایک جوانی اور دوسرے دوستوں کی جُدائی ۔

۴۱، جو مانگے اُسے دو

امرا اسلام کی تاریخ میں احمد بن طولون کی سخاوت بہت جلی قلم سے مرقوم ہے کہا جاتا ہے کہ ایک ہزار اشرفی تو وہ ہر مہینے فقط اِکا دُکا لوگوں کو بانٹا کرتے تھے ویسے ماہوار جن لوگوں کا مقرر تھا یا وقتی طور پر کسی کو خصوصیت سے کچھ دے دلا دیا۔ یا دعوت وغیرہ کر دی تو یہ سب اس کے علاوہ ہوتا تھا۔

ان کے خزانچی کا نام سلیم تھا جو ان کا بہت ہی معتمد اور خیر خواہ غلام تھا ایکدن اس نے ان سے یہ بات آ کے دریافت کی ۔

" جب میں دولت کی بھری ہوئی تھیلیاں لے کر قیانلی علاقوں میں جاتا ہوں اور دروازے دروازے آواز لگا کر تقسیم کرتا ہوں تو آڑے سے اکثر ایسے ہاتھ بھی باہر نکل آتے ہیں جن میں مہندی لگی ہوتی ہے اور قیمتی قیمتی زیورات پڑے ہوتے ہیں ایسے لوگوں کو دیا جائے یا انکار کر دیا جایا کرے "

احمد نے اس پر اپنا سر جھکا لیا۔ کچھ دیر کے بعد مسکرا کر بولے " نہیں جو

ہاتھ بھی لینے کو آگے بڑھے اُسے خالی نہ لوٹانا چاہیئے۔ خالی آوے اور بھرا جاوے یہ ہمارے خاندان کی قدیمی صفت ہے اس رسم کو توڑو نہیں۔ جبتک اور جس طرح چلتی ہے چلنے دو۔"

۴۲۔ مال صدقہ جان کا

ایک آدمی کا جوان لڑکا کسی تجارتی قافلے کے ساتھ دریا کے گیا ہوا تھا اور بہت دنوں سے اس کی کوئی خیر و خبر اُسے نہیں ملی تھی۔

ایک دن اس نے یہ سوچکر کہ مال صدقہ ہوتا ہے جان کا لاؤ کچھ خیر خیرات ہی کر دوں کیا عجب ہے کہ اسی کے عوض میں خدا میری یہ پریشانی دور کر دے۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے اسی وقت بازار سے دو روٹیاں خرید کر ایک بھوکے کو کھلا دیں۔

چند روز کے بعد جب اس کا لڑکا کامیابی کے ساتھ گھر لوٹ آیا تو واقعات سفر بیان کرتے ہوئے کہنے لگا۔

یہاں سے روانہ ہونے کے اتنے دنوں کے بعد فلاں وقت اور فلاں تاریخ کو اچانک دریا میں طغیانی آگئی اور اس قدر تیز ہوئی کہ آناً فاناً وہ کشتی جس میں ہم لوگ سوار تھے مع تمام مسافروں اور مال و متاع کے ڈوب گئی اور خود میں اس

طرح بچ گیا کہ جیسے ہی میں گرداب میں آیا ہوں دریا کے اندر سے دو آدمی ابھر کے آئے اور مجھے دریا کے اس پار اٹھا کے پھینکدیا، اور ہاں! پھینکتے وقت لوگوں نے یہ پیغام بھی مجھے دیا تھا کہ گھر پہونچکر اپنے والد سے کہدینا کہ یہ ان کی اس فقیر کی دی ہوئی دونوں روٹیوں کا بدلہ ہے"

حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ دونوں باتیں ایک ہی دن اور ایک ہی تاریخ میں واقع ہوئی تھیں۔

۴۳، قابل جاسوس

امیر المومنین مامون رشید کو بہت دنوں سے کسی ضلع مجسٹریٹ کے مظالم اور رشوت ستانی کی رپورٹیں موصول ہو رہی تھیں جب اس کا سلسلہ کسی طرح بند نہیں ہوا تو آپ نے ایک قابل جاسوس کو اس کی تحقیقات کے لئے وہاں اس ہدایت کے ساتھ روانہ کیا کہ کسی کو اِس تحقیقات کی کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔

چنانچہ چند ہی روز میں یہ جاسوس تاجروں کے بھیس میں وہاں پہونچ گیا اور اصل معاملہ کی خفیہ تحقیقات شروع کردی،

حاکم ضلع نے یہ معلوم کرکے کہ یہ تاجر خاص دار الخلافہ کا رہنے والا ہے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ اچھے اچھے کھانے کھلائے۔ صاف ستھرا مکان رہنے

کے لئے دیا اور موقع پاکر ایک دن کہنے لگا۔

"ایک خط امیر المومنین کو لکھ کے بھیجدو جس سے انھیں بھی یہاں کے حالات اور انتظامی امور سے واقفیت ہو جائے۔"

اور اس سے اس کا مقصد اصل میں ان شکایات کی تردید کرانا تھا جو اس کی طرف سے یہاں کے لوگ مسلسل انھیں لکھ کے بھیج رہے تھے۔

حاکم ضلع کی فرمائش پر اس نے فوراً حسب ذیل مفہوم کا ایک خط لکھ کے اُسے سنایا جس پر وہ بھی بہت خوش ہوا تھا۔

میں اتنے دنوں سے اس شہر میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ میں نے ہر بات کا بہلا اگر مطالعہ کیا۔ واقعی یہاں کا حاکم اپنے عزم وارادے میں بہت پختہ اور تیز ہے اس نے ساری رعیت کو ایک دم بیدھا کر کے رکھدیا ہے۔ اب ان میں غریب و امیر مقیم و مسافر کا کوئی امتیاز باقی نہیں دکھائی دیتا۔ نہ کسی سے کسی کو کوئی بغض و حسد ہے اور نہ کسی کو کسی کے ساتھ سختی اور زیادتی کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے اور یہ بھی اسی کی بیدار مغزی کا نتیجہ ہے کہ اب یہاں کے اکثر باشندے مسجدوں اور خانقاہوں میں جا جاکر آباد ہو گئے ہیں۔ یہاں کی پبلک امیر المومنین کے لئے ہر وقت دعائیں کیا کرتی ہے اور خواہشمند ہے کہ خود آپ بھی یہاں کے معاملات پر خصوصی توجہ اور کرم سے ضرور کام لیں۔

اس رپورٹ کو پڑھتے ہی امیر المومنین کو بالکل یقین آگیا کہ جو شکایات

آرہی تھیں وہ سب صحیح تھیں اور اس کے بعد فوراً اس کی برطرفی کا حکم
جاری کر دیا۔

۴۴۔ چار باغیرت عقلمندوں کا مقدمہ

ایک بادشاہ کی پڑوس کی ایک حسین و مہ جبین عورت سے آنکھیں چار
ہو گئیں تحقیق کرائی تو معلوم ہوا کہ یہ تو خود اُنہی کے غلام فیروز کی بی بی ہے۔

غلام کا نام سنتے ہی بادشاہ اس وقت تو کچھ خاموش سا ہو رہا مگر عورت کے
حسن و جمال پر وہ اس قدر فریفتہ ہوا تھا کہ دن کا آرام اور راتوں کا عیش سب اسکے
لئے حرام ہو گیا۔

سوچتے سوچتے ایک دن اس نے فیروز کو بلا کر ایک خط دیا اور کہا کہ فلاں
شہر میں چلے جاؤ اور اس کا جواب لے آؤ۔

فیروز کو اس وقت یہ خیال بھی نہیں گذرا کہ اتنے بڑے سفر پر اچانک مجھے
کیوں بھیجا جا رہا ہے۔ وہ سیدھا اپنے گھر آیا اور سامان سفر درست کر کے روانہ
ہو گیا۔

چلتے وقت وہ کچھ ایسا گھبرایا ہوا تھا کہ اصل چیز یعنی خط گھر ہی پر بھول آیا اور
اس کا علم اسے اس وقت چلا جبکہ اچھا خاصا راستہ بھی طے ہو چکا تھا۔ مجبوراً بادشاہ

اور اس کے ملازمین سے چھپتا چھپاتا وہ اُلٹے ہی پیروں گھر واپس آگیا۔

اب اِدھر کا قصہ سنئے! فیروز کے جاتے ہی اندھیری رات میں تن تنہا بادشاہ اپنے محل سے فیروز کے گھر کی طرف چل پڑا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس لئے کنڈی کھٹکھٹانا پڑی۔ عورت نے نام پوچھا تو اس نے بہت چپکے سے جواب دیا۔ کوئی نہیں! "میں ہوں تمہارا مالک اور اس شہر کا بادشاہ"

عورت بادشاہ نام سنکر سٹ پٹا گئی۔ فوراً دروازہ کھول دیا، اور وہ اندر آگیا۔

عورت چونکہ عقلمند اور تہذیب یافتہ تھی اس لئے مصنوعی خوشی کا منہ بنا کر کہنے لگی۔

"آج کا دن بھی کتنا مبارک دن ہے کہ خود ہمارا آقا ہمارے گھر میں تشریف لایا ہے۔"

بادشاہ نے عورت کی بات کاٹ کر جواب دیا۔ "تشریف لایا نہ کہو، بلکہ یہ کہو کہ حاضر ہوا ہے۔"

عورت ان جملوں پر جلبلائی تو بہت مگر دامانِ متانت ہاتھ سے چھٹنے نہیں دیا کہنے لگی۔

"خدا محفوظ رکھے ایسی زیارت سے میں اِسے بالکل اچھا نہیں سمجھتی۔"

بادشاہ اس کے لب و لہجہ سے تاڑ گیا کہ وہ میری نیّت کو بھانپ گئی ہے اور

میرا اس طرح آنا اسے ناگوار ہوا ہے۔ اس لئے ذرا انداز بدل کے کہنے لگا۔

"تم نے مجھے شاید پہچانا نہیں ہے"!

عورت نے کہا۔ میں نے آپ کو خوب جان لیا ہے۔ اس کے بعد پچھلے زمانے کے کسی بزرگ کے چند نصیحت آمیز اشعار سنا کر غیرت دلاتے ہوئے بولی۔

"آج بد قسمتی سے آپ ایک ایسے حوض پر پانی پینے آگئے ہیں جس پر آپ کے دربار کا ایک حقیر کتا روزانہ منہ ڈالا کرتا ہے"۔

عورت کے یہ فقرے سنتے ہی بادشاہ جھینپ گیا اور مارے غیرت کے جوتے چھوڑ اپنے محل کی طرف لوٹ آیا۔

فیروز نے جس وقت شاہی فرمان لانے کے لئے گھر میں قدم رکھا ہے تو سب سے پہلے اسے بادشاہ کے یہی جوتے پڑے دکھائی دیئے۔ دیکھتے ہی اسکے ہوش اڑ گئے۔ غصّے کے مارے تھر تھر کانپنے لگا اور اب سمجھ میں آیا کہ اسی لئے اُسے اس سفر پر روانہ کیا گیا تھا۔ مگر چونکہ معاملہ تھا نازک اس لئے وہ فوری طور پر بالکل چپ سادھ کے سفر پر چلا گیا۔

چند روز کے بعد جب فیروز اپنا کام کر کے گھر لوٹا تو بادشاہ نے اسکی اس جفاکشی اور اطاعت شعاری پر بہت پیٹھ ٹھونکی اور سو اشرفیاں انعام کی دے کر گھر جانے کی اجازت دیدی"!

وہ محل سے بجائے گھر کے سیدھا بازار گیا اور عورتوں کی ضروریات پسند کے

لائق بہت سے تحفے تحائف خرید کر بی بی کے پاس آیا اور دلجوئی کے لہجے میں کہنے لگا۔

"آج کل اچھا موقع ہے چلو تمہیں تمہارا میکہ بھی دکھلا لائیں"۔ عورت نے کہا بھی کہ "ابھی جلدی کیا ہے دو ایک دن سستا لو، پھر دیکھا جائے گا"۔ مگر اس نے ایک چلتا ہوا فقرہ کہہ کر سامان سفر درست کر دیا، اور گویا زبردستی لے کے روانہ ہو گیا۔

فیروز نے جس طرح پہلے دن خاموشی اختیار کی تھی ابتک اس نے اس میں کسی قسم کا فرق نہیں پیدا ہونے دیا۔ سسرال گیا بھی اور لوٹ بھی آیا۔ وہاں بھی کسی کو کانوں کان اس واقعے کی اطلاع نہیں ہونے پائی۔

یہانتک کہ لوگوں کو یہ شبہ دامن گیر ہو گیا کہ شاید اب وہ اسے چھوڑ کے کسی اور کے ساتھ دادِ عیش دینا چاہتا ہے۔ چنانچہ اتمام حجت کے طور پر ایک دن اس کے سالے نے خصوصیت کے ساتھ اس طرف توجہ دلائی۔ مگر اس نے اسے بھی کوئی صاف جواب نہیں دیا۔ مجبوراً ہو کر سالے نے نان و نفقے کا دعویٰ دائر کر دیا۔ اور یہ بھی اتفاق کہ عین اسی وقت جب کہ فریقین پہلی بار حاضر عدالت ہوئے تھے بادشاہ بھی مجسٹریٹ کے قریب ہی آ کر بیٹھ گیا۔

سب سے پہلے سالے کا بیان دعویٰ پڑھ کر سنایا گیا جس کا مفہوم یہ تھا۔

"میں نے فیروز کو اپنا ایک بیش قیمت باغیچہ سپرد کیا تھا جس کے چاروں

طرف پختہ دیوار کھنچی ہوئی تھی۔

اس باغیچے کے اندر ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا ایک کنواں بھی تھا جس سے وہ مدتوں سیرابی حاصل کرتا رہا۔

اس کے علاوہ یہ باغ ہر قسم کے پھلوں اور پھولوں سے ہمیشہ لدا رہتا تھا لیکن فیروز نے چند ہی دن میں اس کی وہ مضبوط و مستحکم دیوار بھی توڑ ڈالی کنوئیں کو بھی نقصان پہونچا دیا اور باغ کے سرسبز و شاداب درخت بھی سب تباہ و برباد کر ڈالے۔"

مدعی کا بیان سن کر مجسٹریٹ نے فیروز سے صفائی طلب کی تو اس نے اپنے سالے کی بیان کی حرفاً حرفاً تائید و تصدیق کرتے ہوئے کہا۔

"اب میں نے ان کا باغ انھیں واپس کر دیا ہے اور اس کی وجہ یہ پیش آئی کہ ایک دن مجھے اس کے اندر شیر کے پنجوں کے نشان بنے دکھائی دے گئے۔ جس سے مجھے یہ خطرہ دامنگیر ہو گیا تھا کہ کہیں کسی دن شیر مجھ ہی کو نہ نگل جائے اس کے علاوہ اور کوئی ناگواری یا ناراضگی کی بات نہیں پیش آئی۔"

فیروز جس وقت یہ بیان دے رہا تھا بادشاہ تکیہ لگائے بیٹھا تھا ایک دم سیدھا ہو گیا۔ اور اصل واقعہ کو سمجھ کر برجستہ کہنے لگا۔

"فیروز جاؤ اپنا باغ پھر واپس لے لو اور اطمینان رکھو کہ شیر باغ کے اندر گیا تو ضرور تھا مگر اس نے نہ تو کسی درخت کو چھوا، اور نہ کسی پھول و پھل کو توڑا،

اور نہ کہیں زیادہ چلا پھرا۔ بس تھوڑی دیر یوں ہی رہا تھا کہ جیسا گیا تھا ویسا ہی واپس آگیا۔"

اس کے بعد بادشاہ نے یہ بھی کہہ دیا۔

"میں نے خود تمہارا باغ دیکھا ہے واقعی بڑا حسین و دلکش باغ ہے۔ اور بقول مدعی کے اس کی دیواریں حسن و مضبوطی میں اپنا نظیر نہیں رکھتیں۔ میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں کہ وہاں سوائے تمہارے کوئی پرندہ پر بھی نہیں مار سکتا۔"

فیروز اتنا سنتے ہی اپنی بی بی کو جاکے رخصت کرالایا۔

۴۵، پیٹو شاہ

حضرت عمرو بن عاص رضہ کے وکیل شمروں کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک اور امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رح طائف میں میرے یہاں آکر مقیم ہوئے، سلیمان بن عبدالملک بھوک سے بہت بیتاب تھے آتے ہی پوچھنے لگے کہ تمہارے یہاں اس وقت کیا چیز کھانے کے لئے تیار ہے؟

میں نے عرض کیا "حضور! ایک بہت موٹا تازہ بکری کا بچہ مسلّم بھنا ہوا تیار ہے۔" کہنے لگے "لے آؤ"۔ میں نے لے جاکے پیش کیا تو تنہا آکے کھانے کیلئے

بیٹھ گئے۔ منٹوں میں پورا بکری کا بچہ صاف ہوگیا۔

جب ایک ران رہ گئی تو عمر بن عبدالعزیزؒ کو بھی آواز دے کر بلایا۔ مگر انھوں نے جواب دیدیا کہ "میں روزہ سے ہوں"۔ بہر حال وہی پورا بچہ کھا گئے۔

اس کے بعد شمروں سے پوچھنے لگے "بس یہی تھا یا اور بھی کچھ ہے"؟ شمروں کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "ہاں سات زبردست زبردست مرغیاں بھی بھنی ہوئی موجود ہیں"۔ کہنے لگے "اچھا وہ بھی لے آؤ"۔

غرض تھوڑی ہی دیر میں وہ مرغیاں بھی صاف ہوگئیں۔

اس کے بعد بولے "شمروں! کچھ اور بھی ہے"؟

شمروں نے جواب دیا "ہاں امیر المومنین! اب ستّو حاضر کئے جاسکتے ہیں"۔ کہنے لگے "اچھا ستّو ہی لے آؤ، ذرا اُن کا بھی ذائقہ دیکھا جائے"۔

خلاصہ یہ کہ ستّو بھی تھوڑی دیر کے بعد ختم ہوگئے۔ اتنے میں امیر المومنین کا غلام آگیا۔ آپ نے اس سے پوچھا "کہو ہمارا کھانا تیار ہوگیا یا ابھی نہیں"۔ اس نے جواب دیا "ہاں تیار ہوگیا ہے"۔ بولے "کیا کیا چیز پکی ہے۔ اور کتنی کتنی ہے"؟ اس نے بتایا کہ "سب تقریباً تیس قسم کی ہانڈیاں تیار ہو چکی ہیں"۔

کہنے لگے "ذرا انھیں اٹھا تو لاؤ"۔ چنانچہ وہ تیسوں ہانڈیاں اور روٹی لے کر وہیں آگیا۔ آپ نے روٹی کے ساتھ ہر ہر ہانڈی سے تھوڑا تھوڑا نکال کر نوش کیا۔

اس کے بعد ہاتھ منھ دھو کر یوں ہی ذراسی کمر لگائی ہوگی کہ باہر سے کچھ لوگ آگئے ۔ اور انھیں اندر بلا لیا گیا ۔ ان کے آتے ہی دسترخوان بچھا دیا گیا وہ سب بھی بٹھائے گئے اور امیر المومنین بھی سب کے ساتھ ہر کھانے میں ہاتھ بڑھا بڑھا کر شرکت کرتے رہے ۔

---

۴۶ ، انگریزی پیوند

قاہرہ کے ہائی کمشنر امیر شجاع الدین شیرازی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں مع اپنے اسٹاف کے دیہاتی رقبوں کا دورہ کرتا پھر رہا تھا ۔ کہ اتفاقاً ایک بوڑھے سیاہ فام عرب کے یہاں رات گذارنا پڑ گئی ۔

یہ شخص باتونی تو بہت تھا مگر مہمان نوازی اور خاطر مدارات میں بھی اس نے حد کردی تھی ۔ کھانے سے فراغت کے بعد چند سفید فام کرنجی آنکھ والے بچے نظر آگئے میں انھیں دیکھ کر تعجب میں پڑ گیا کہ آخر عربوں کے یہاں یہ فرنگی کی اولاد کہاں سے آگئی ؟ چنانچہ جیسے ہی میں نے اس سے ان بچوں کے متعلق دریافت کیا ۔ تو وہ بھی میری حیرت کو تاڑ گیا ۔ بیساختہ کہنے لگا کہ " سیاہ و سفید کا یہ عظیم ترین فرق دیکھ کر آپ معلوم نہیں کیا سوچتے ہوں گے ۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ یہ سب میرے اور صرف میرے ہی بچے ہیں ۔ رنگ اور آنکھوں میں اختلاف پیدا ہو جانے کی وجہ ... ان کا مادری

خون ہے جس کی تفصیل ایک بڑے واقعہ کے ساتھ وابستہ ہے۔

اس کے بعد اس نے میرے اصرار پر وہ تفصیل بیان کرنا شروع کی۔

"میں اپنی نوجوانی کے زمانے میں ریشم کی تجارت کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اسی گاؤں میں پانچسو اشرفیوں کی لاگت سے خود ریشم تیار کیا۔ مگر تیاری پر نفع کی مقدار کم نظر آئی۔ اس لئے سارا مال لے کر قاہرہ چلا گیا۔ مگر وہاں کا بازار بھی میرے لئے کچھ اچھا نہیں ثابت ہوا۔ اس لئے بعض دوستوں کے مشورہ سے ملک شام چلا گیا۔ اور عکہ میں دوکان کھول کے بیٹھ گیا۔

آدھا مال تو عکہ میں جاتے ہی ایک شخص نے کافی منافع کے ساتھ اُدھار لے لیا۔ اب مابقی ادھار مال پھٹکر بیچنے لگا۔ عکہ میں انگریزوں کی حکومت تھی اس لئے ان ہی کی عورتیں سارے بازار پر ہر وقت چھائی رہتی تھیں۔

ایک دن ایک نوجوان اور بہت ہی خوبصورت گوری چٹی انگریزن اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ میری دوکان پر ریشم لینے آگئی۔ میں آپ سے کیا کہوں کہ اس فرنگن کو دیکھتے ہی میرے دل و دماغ کی حالت کیا ہو گئی۔ وہ ریشم کا مجھ سے بھاؤ تاؤ کر رہی تھی اور میں اس کے حسن و جمال پر اپنا دل نذر کئے دے رہا تھا۔ خلاصہ یہ کہ چند پیسوں میں میں نے اُسے روپیوں کا مال دے دیا۔ اتنا سستا اور اچھا مال اب اُسے اور کہاں ملتا۔ وہ روز آ آ کے لے جانے لگی۔ یہاں تک کہ اُسے بھی یہ محسوس ہو گیا کہ میں اس پر فریفتہ ہوں۔

ایک دن بے طرح مجھے اس کی یاد ستا رہی تھی کہ اس کی بڑھیا ماں آگئی اور میں نے اس سے اپنے دل کی ساری کیفیت بیان کر کے ایک رات مہمان آجانے کی فرمائش کی۔ بڑھیا نے پچاس اشرفی اس کا معاوضہ بتایا۔ میں نے جھٹ سے پچاس اشرفیاں اس کے ہاتھ پر نکال کے رکھ دیں۔ چنانچہ شام کو وہ بہت عمدہ پوشاک پہن کر میرے سیہ خانے کو روشن کرنے کے لئے آگئی۔ میں بھی اس کی جس قدر خاطر مدارات کر سکتا تھا اس میں کوئی دریغ نہیں کیا۔ لیکن جب میں اور وہ دونوں تنہا ہو کر ایک جگہ لیٹے تو گناہ کا کچھ ایسا ہول میرے دل پر سوار ہوا کہ میں شرم و خوف سے تھر تھر کانپنے لگا اور صبح تک کچھ بات نہ کر سکا۔

صبح کو وہ غصّے میں بھری ہوئی اپنے گھر چلی گئی اور میں دوکان پر آ کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بڑھیا بھی آگئی۔ مجھ پر برس پڑی اور کہنے لگی کہ یا تو وہ شوراشوری تھی یا یہ بے نمکی دکھائی۔ آخر ہوا کیا کچھ بتاؤ تو؟ یہ چاندسی پری صاف کیسے بچ کر نکل گئی۔

اُس کی ان باتوں پر سچّا سچّا واقعہ بیان کرنے ہی والا تھا کہ پھر شیطان آگیا۔ اور اس نے میرے مُنھ سے یہ الفاظ نکلوا دیئے کہ خیر! کل جو کچھ ہوا تھا وہ تو اب جانے دو، آج پھر اُسے راضی کر کے لے آؤ۔ اب کی دفعہ اس نے سو اشرفیاں طلب کیں۔ میں اس پر بھی راضی ہو گیا اور فوراً یہ رقم بھی اسی وقت نکال کر اس کے حوالے کر دی۔

چنانچہ شام کو وہ پھر بن سنور کر آگئی۔ مگر عین وقت پر کل ہی کی طرح پھر مجھ پر خوف و شرم طاری ہو گئی اور گناہ کی رنگین چادر کا شکار نہیں ہو سکا۔

وہ کچھ کچھ عربی بھی بول لیتی تھی۔ صبح اٹھ کر رو پڑی، بہت ہی غم و اندوہ کی سانسیں بھر کر کہنے لگی۔

"اب چاہے تم کتنا ہی دو یا کیسی ہی تمہاری حالت کیوں نہ ہو جائے میں تمہارے یہاں ہرگز نہ آؤں گی۔"

اس کے بعد پلٹ پلٹ کر وہ مدھ بھری آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے اپنے گھر روانہ ہو گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد حسب دستور بڑھیا آگئی اور غصہ سے لال ہو کر کہنے لگی "جب تم اس کام ہی سے معذور ہو تو پھر بار بار اپنا خرچ کر کے بلاتے کیوں ہو؟"

میں اس کی اس بات سے بڑا شرمندہ ہوا۔ مگر شیطان کے ورغلانے سے ایک بار اور اسے اپنے یہاں آنے کی دعوت دے بیٹھا۔ بڑھیا فوراً عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی قسم کھا کر کہہ اٹھی "اب تو جب تک تم پانچسو اشرفیاں نہ دو گے میں اس سے یہاں آنے کو کہہ بھی نہیں سکتی۔"

پانچسو کا نام سنتے ہی ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے آنکھوں کے سامنے سے ایک بڑا بھاری پردہ پڑا ہوا ہٹا دیا ہو۔ دل بولنے لگا کہ اگر یوں ان معاملات کا

سلسلہ جاری رہا تو ریشم کا نفع تو درکنار اصل رقم سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔

اسی کو سوچ رہا تھا کہ انگریزی گورنمنٹ کی طرف سے ایک ڈھنڈورچی یہ ڈھنڈورا پیٹتا ہوا سامنے آگیا کہ "صلح کی میعاد ختم ہو چکی ہے لہذا جمعہ تک جو مسلمان جانا چاہیں چلے جائیں اس کے بعد سب کو قید کر لیا جائے گا۔

یہ سنتے ہی میں بھی اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا اور اپنا سارا مال و دولت اکٹھا کر کے دمشق بھاگ آیا۔

دمشق پہونچ کر اس فرنگن کی یاد کو بھول جانے کے لئے ریشم کی تجارت کے بجائے بردہ فروشی کا کاروبار سب سے زیادہ اچھا دکھائی دیا۔ لہذا سارا روپیہ میں نے اسی میں لگا دیا اور اس میں بھی مجھے بڑا بھاری نفع حاصل ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے دمشق میں اس کاروبار کے اندر کوئی میرا مد مقابل ہی نہیں رہا۔

اس زمانے میں دمشق پر ملک الناصر کی حکومت قائم تھی۔ اور ان ہی نے ملک شام پر چڑھائی کر کے عکہ اور اس کے قرب وجوار کے علاقوں پر دھاوا بول کر اپنا پرچم لہرایا تھا۔

تین سال تک میں دمشق میں یہی کرتا رہا۔ ایک دن خود سلطان مجھ سے سو اشرفیوں میں ایک لونڈی آکے خریدے گئے۔ مگر اس وقت جنگی مصارف کی وجہ سے خزانے میں رقم کا کچھ ایسا توڑا پڑا ہوا تھا کہ نقد صرف نوے اشرفیاں ہی وہ اس

وقت مجھے دے سکے۔ باقی کے لئے حکم دے گئے کہ "اس کے عوض میں فرنگی عورتیں جو ابھی عکہ وغیرہ سے گرفتار ہو کر آئی ہیں آ کر لے لو۔"

اسی مقصد سے میں نے پچھلے خیالات کو بھول کر حوالات گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ پہلے ہی خیمہ میں وہی فرنگن بیٹھی ہوئی ہے وہ تو متواتر افتادوں اور قید و بند کی مصیبتوں کی بنا پر مجھے بھول سی گئی تھی مگر میں قید خانہ کے داروغہ سے اسی کی لکھا پڑھی کرا کے اپنے گھر لے آیا۔

جب وہ بھی مجھے پہچان گئی تو بے ساختہ میرے منہ سے یہ فقرہ نکل گیا کہ عکہ میں تو تمہاری ایک رات کی قیمت پانچسو اشرفیاں تک مانگی جانے لگی تھی۔ اور یہاں میں نے تمہیں صرف دس اشرفیوں میں ہمیشہ ہمیش کے لئے پا لیا ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ ہم دونوں یک جان و دو قالب بن کر مستقل داد عیش دینے لگے۔ دوسرے ہی دن وہ بصمیم قلب مسلمان بھی ہو گئی اور قاضی شداد کے یہاں جا کر باقاعدہ میں نے اس سے اپنا نکاح پڑھوا لیا۔

کچھ دنوں کے بعد دونوں ملکوں میں صلح ہو گئی اور طرفین سے قیدیوں کو چھڑانے کے لئے سفراء کی ڈاک بیٹھ گئی۔ دمشق میں بھی عکہ کا سفیر آ گیا اور فہرست سامنے رکھ کر اپنے قیدی حاصل کرنے لگا۔

اُسے اس فرنگن کی خصوصیت سے تلاش تھی اور وہ اسے اب تک ہاتھ نہیں لگی تھی تو اس نے سلطان سے دریافت کیا۔ سلطان نے بتایا کہ ہاں ایک عورت

فلاں بردہ فروش کے یہاں دس اشرفیوں کے عوض میں مکفول ہے یہ سنتے ہی عکہ کا
سفیر اُسے میرے گھر سے آکر پکڑلے گیا۔ مگر خدا بھلا کرے محبت و تعلق کا کہ اس نے
عکہ کے سفیر سے سلطان کے سامنے ہی جاکر کہہ دیا کہ میں تو مسلمان ہو چکی ہوں اور
اپنے شوہر ہی کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ اسی کے ساتھ اس نے عکہ کے سفیر سے
مخاطب ہو کر یہ بھی بتا دیا کہ اب تو میں حاملہ بھی ہوں اور کسی طرح تم لوگوں کے کام
کی نہیں رہی ہوں۔

جب وہ کسی طرح اپنے ملک کو جانے کے لئے تیار نہیں ہوئی تو سفیر بھی
مجبوراً خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ "آپ میرے دفتر
تک تکلیف کرکے آجائیں اس کی بڑھیا ماں نے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر وہ وہاں
سے واپس آنے کے لئے تیار نہ ہو تو یہ تکیہ اُسے ضرور پہونچا دینا۔ لہٰذا اس کا وہ
تکیہ میرے ساتھ ہے وہ اسے لاکر دیدو"۔ چنانچہ اس فرنگن کے اصرار سے میں
وہ تکیہ اس کے دفتر جاکر اٹھا لایا۔ کھول کر دیکھا تو اس میں میری وہ تمام دی ہوئی
اشرفیاں اور اس کے علاوہ خود اس کے خاندان کا بڑا بھاری نقد ذخیرہ بڑی احتیاط
کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ حساب لگایا گیا تو لاکھوں روپے کی مالیت بیٹھی۔

اتنا طول طویل قصہ بیان کرکے بڈھا ہنس کر کہنے لگا کہ "وہی فرنگن آج بھی
میرے گھر کا روشن چراغ بنی ہوئی ہے یہ سب اولاد اسی کے بطن سے ہے اور یہ
سب ٹھاٹھ باٹھ بھی اسی کے صدقے میں مجھے حاصل ہے"۔

۴۷۔ فقرے باز عورت

مشہور عربی شاعر نعمان کی لڑکی ہند اپنے وقت کی نہایت زبان دان اور حسین و جمیل لڑکی تھی۔ کسی نے اس کی یہ خوبیاں حجاج گورنر عراق سے جا کر بیان کر دیں۔ حجاج چونکہ ایسی باتوں کا بڑا شوقین تھا اس کے والدین کو کافی مال و دولت دے کر بیاہ لایا۔

اتفاقاً چند روز کے بعد وہ جبکہ ہند کے ساتھ معرہ آیا ہوا تھا ایک دن اچانک اس کے سنگار خانے میں داخل ہو گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ہند کمر تک بال لٹکائے قد آدم شیشے کے سامنے کھڑی عربی کا ایک شعر پڑھ رہی ہے جس میں اس نے اپنے کو تو عربی النسل گھوڑے سے اور حجاج کو خچر سے تشبیہہ دی تھی۔

خلاف توقع ہند کی زبان سے یہ خیالات سن کر اُسے بہت صدمہ ہوا اور اُلٹے پیروں ہی واپس آ کر اس نے فیصلہ کر لیا کہ ایسی عورت سے بہت زیادہ دن نباہ ہونا غیر ممکن ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن طاہر کے ذریعہ سے طلاق کہلوا دی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس پر بھی اسے کوئی افسوس نہیں ہوا۔ بے ساختہ خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"چلو یہ بھی بہتر ہی ہوا۔ اس کتے سے نجات مل گئی"۔

ہوتے کرتے کسی نے یہ سارا قصہ خلیفۂ وقت عبدالملک بن مروان سے جا کر

نقل کر دیا اور انھیں اس کی یہ ادا کچھ ایسی بھلی لگی کہ اپنے ساتھ نکاح کا پیغام بھیجنے کے لیے تیار ہو گئے۔

جس وقت اُسے امیر المومنین کا پیغام پہونچا ہے تو وہ حاملہ تھی۔ اس لیے اس نے بر وقت ٹالنے کے طور پر یہ جواب دے دیا کہ "ایک برتن ہے جس میں کتا آکر منھ ڈال گیا ہے"!

امیر المومنین نے سُنا تو لکھ بھیجا۔

"اس میں کیا حرج ہے۔ کتّا جس برتن میں منھ ڈال دے اسے ایک مرتبہ مٹی سے مانجھ کر سات مرتبہ پانی سے دھو ڈالنا چاہیئے"!

ہند نے جب امیر المومنین کا اصرار بہت بڑھتے دیکھا تو اس شرط کیا تھا کہ "حجّاج اپنے پورے شاہی کرّو فر کے ساتھ معرّہ سے دار الخلافت تک ننگے پیر اس کے اونٹ کی نکیل پکڑ کر لے جائے گا"!

امیر المومنین نے اس کی یہ شرط بھی منظور کر لی اور حجاج کو لکھ بھیجا کہ "اس کی یہ شرط فوراً پوری کی جائے"۔ مجبوراً اسی انداز میں حجاج کو معرّہ جانا پڑا اور دلہن کی سجی سجائی اونٹنی کی نکیل پکڑ کر جس کے چاروں طرف اس کی سہیلیوں اور لونڈیوں کی سواریاں رواں دواں تھیں ننگے پیر چلنا پڑا۔

راستے بھر ہند اور اس کی سہیلیاں حجاج کا مذاق اڑاتی اور آوازے کستی گئیں۔ خاص کر دار السلطنت کے اندر جیسے ہی اس کی بارات داخل ہوئی ہے

چھن سے اشرفیوں کی ایک تھیلی زمین پر الٹ کر حجاج سے کہنے لگی۔

"اے اونٹ والے ذرا اونٹ روک کر ہمارے پیسے ہمیں اٹھا دے۔"

حجاج اس کی ان تمام فقرے بازیوں کو سمجھ رہا تھا مگر بے چارہ مجبور تھا کر ہی کیا سکتا تھا۔

دبدبۂ شاہی اور دار السلطنت کا خیال کر کے اسے اونٹ روکنا پڑا۔ اور تھیلی کے گرے ہوئے دام اٹھا کے دینا پڑے۔

ھند نے کہا تھا کہ "ہمارے پیسے ہمیں اٹھا دے"۔ مگر حجاج جب اٹھانے کے لئے جھکا تو اسے اشرفیاں نظر آئیں۔ فطری طور پر اس کے منہ سے نکل گیا "ارے یہ تو سب اشرفیاں ہی اشرفیاں ہیں"۔

ھند بھلا کب چوکنے والی تھی برجستہ فقرہ کس بیٹھی "خوب! گرے تو پیسے ہی تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیسے اشرفیوں سے بدل دیئے"۔

ھند کے ان جملوں سے غریب حجاج کٹ کے رہ گیا۔

۴۸۔ بول کیا مانگتا ہے؟

ایک دن خلیفہ مہدی ابو دلامہ شاعر کے کسی قصیدے کو سن کر مستی میں کہہ اٹھا "مانگ کیا مانگتا ہے"؟ یہ سنتے ہی ابو دلامہ نے عرض کیا "حضور اور کچھ

نہیں بس صرف ایک شکاری کتّے کی ضرورت ہے۔

چنانچہ ایک شکاری کتا اُسے دلوا دیا گیا۔

کتّے پر قبضہ پاتے ہی بولا" امیر المومنین! اب جب میں اسے لیکر شکار کھیلنے جاؤں گا۔ تو کیا پیدل سفر کروں گا؟ امیر المومنین نے یہ سُن کر سواری کے لئے ایک گھوڑا بھی اُسے دلوا دیا، وہ پھر بولا" اب اس گھوڑے، اور کتّے کی خدمت کون کرے گا؟ امیر المومنین نے اس پر ایک غلام بھی دلوا دیا۔ وہ اب بھی چپ نہیں ہوا، کہنے لگا" اب جب شکار کھیلنے جاؤں گا اور شکار حاصل ہو جاوے گا، تو اسے بنانے اور پکانے کا بندوبست کس سے کرایا جائے گا" امیر المومنین سمجھ گئے اور ایک لونڈی بھی دلوا دی۔ مگر وہ اب بھی چپ نہیں ہوا کہنے لگا" اب یہ کتا اور لونڈی و غلام رہیں گے کہاں؟ رہنے کے لئے کوئی جگہ بھی تو ہونا چاہئے امیر المومنین مسکرانے لگے۔ اور ایک مکان بھی معافی میں اسے لکھ دیا۔ اس کی خواہش طلب اب بھی پوری نہیں ہوئی۔ کہنے لگا" سرکار! اب جبکہ مجھے ان تمام باتوں میں مشغولیت رہا کرے گی تو بال بچوں کے لئے روزی وغیرہ کون مہیا کرے گا۔ اور وہ کہاں سے آئے گی؟ امیر المومنین اب تو کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ کہنے لگے" اچھا کھجوروں کا ایک باغ تمہیں اور دیتا ہوں" وہ اب کچھ چپ سا ہو گیا۔ مگر خود امیر المومنین ہی اس کا سکوت توڑ کر بولے" کہو اب بھی کوئی ضرورت باقی رہ گئی ہے۔ یا سب پوری ہو گئی؟ اس نے برجستہ سر

کھلاتے ہوئے جواب دیا "ہاں امیر المومنین! بس ایک خواہش اور باقی رہ گئی ہے
امیر المومنین نے حیرت سے پوچھا" وہ کیا؟ تو بولا "بس یہ کہ دست مبارک بڑھایئے
ایک بوسہ لوں اور رخصت ہوں۔"

۴۹، مدعی کی گرفت

چیف جسٹس امام محمد رح کے صاحبزادے ہارون کہتے ہیں کہ ایک
دن والد صاحب کچہری سے آرہے تھے کہ ایک آدمی راستہ روک کر کہنے لگا
"میں اس وقت آپ ہی کا بہت دیر سے یہاں کھڑا انتظار کر رہا تھا میری
آپ سے ایک فریاد ہے۔" والد وہیں رک گئے اور پوچھنے لگے کہ کیا بات
ہے؟ کیا کسی نے تجھ پر ظلم و زیادتی کی ہے۔"

فریادی بے ساختہ بولا" ہاں! میں مظلوم اور ظلم کرنے والے خود آپ
ہیں لیکن چونکہ آپ کے پاس میری پہونچ نہیں ہو رہی تھی اس لئے اتنک مجھے
آپ سے کہنے کا کچھ موقع نہیں ملا"

والد نے کہا بھی کہ میری عدالت کا دروازہ تو ہر عام و خاص پر ہر وقت
کھلا رہتا ہے۔ تعجب ہے کہ تم اتنک چپ بیٹھے رہے۔
خلاصہ یہ کہ اس نے آخر میں یہ بتایا کہ "میری فلاں زمین پر آپ کے تحصیلدار نے

قبضہ کر لیا ہے اور اس خیال سے کہ کہیں رجسٹر مالکان ہی سے میرا نام نہ اڑ جائے اس کا سالانہ لگان تو میں ادا کرتا ہوں اور غلہ و رقم سب آپ کے تحصیلدار صاحب آ کے وصول کر لے جاتے ہیں۔"

یہ سب سن کے والد نے اُسے جواب دیدیا کہ "تم اس کے متعلق گواہ اور کاغذات وغیرہ پیش کرو میں مناسب انتظام کر دوں گا۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ جانا ہی چاہتے تھے کہ سائل نے لفظ "وغیرہ" پر گرفت کر لی۔ وہ کہنے لگا یہی باتیں تو ظلم و ستم کو بڑھا دینے کی ہوتی ہیں" جب میں گواہ اور کاغذات ہی پیش کر دوں گا۔ تو پھر "وغیرہ" کا کیا مطلب ہے؟

والد اس کے اس جواب پر ہنس پڑے اور دوسرے ہی دن انہوں نے اس کی جائداد کی واگذاری کا حکم صادر کرتے ہوئے تحصیلدار کو لکھ دیا کہ ایک سو اشرفیاں اتنے دنوں کے نقصان کے طور پر مزید اس کے حوالے کر دو"۔

۵۰۔ گورنر کے لڑکے کو سزا

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک دن ہم لوگ حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ ایک مصری بہت ہی بدحواسی اور پریشانی کے عالم میں بھاگا ہوا آیا اور کہنے لگا۔

میں اس وقت آپ کے پاس ایک محفوظ مقام اور مضبوط پناہ سمجھ کر آیا ہوں۔ اگر آپ مجھ مظلوم کے ساتھ انصاف کرنے کا وعدہ کریں تو صورتِ حال عرض کروں؟

امیر المومنین نے اُسے تسلی واطمینان دلا کے اپنے قریب ہی بٹھا لیا، پھر اُس نے بتایا

"میں مصر کا باشندہ ہوں۔ جہاں آپ نے عمرو بن عاص رضؓ کو مستقل گورنری پر مامور کر رکھا ہے۔ اسی مصر کے بازار میں ایک دن میں گھوڑے پر سوار چلا جا رہا تھا کہ راستے میں عمرو بن عاص کے لڑکے بھی گھوڑے پر جاتے مل گئے مجھے چونکہ جلدی تھی اس لئے میں ان کی پرواہ کئے بغیر تیزی کے ساتھ اپنا گھوڑا آگے بڑھا لے گیا بس اتنی سی بات تھی جس پر انہوں نے یہ کہتے ہوئے کہ ہم اتنے بڑے آدمی کے لڑکے ہیں۔ ہمارے گھوڑے کے آگے تو نے اپنا گھوڑا کیوں کیا؟ ۔ مجھے کوڑے ہی کوڑے خوب مارا۔ اور اس کے بعد ان کے والد نے یہ خیال کر کے کہ کہیں میں آپ کے پاس جا کر شکایت نہ کر دوں مجھے گرفتار کر کے جیل پہونچا دیا۔ اب اس وقت میں سیدھا جیل سے بھاگ کر آ رہا ہوں"

مصری کی یہ ساری روئداد سن کر فاروق اعظم رضؓ نے اس کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا بندوبست کر کے اپنے پاس ہی روک لیا اور کہہ دیا کہ "میں انھیں بلواتا ہوں جب تک وہ نہ آ جائیں یہ مسئلہ طے نہیں ہو سکتا"

اسی کے ساتھ عمرو بن عاص رضؓ کو لکھ بھیجا کہ "ابکی موسم حج میں تم مع اپنے لڑکے کے حاضر ہو۔"

چنانچہ چند ہی روز کے بعد وہ مع اپنے صاحبزادے کے مکہ معظمہ پہونچ گئے مناسکِ حج سے فارغ ہونے کے بعد عین اس وقت جبکہ امیر المومنین کا دربار آدمیوں سے بھرا ہوا تھا مصری کو بلوا کے اپنا کوڑا اس کے ہاتھ میں دیا اور کہنے لگے۔

"لو یہ عمرو بن عاص اور ان کا لڑکا موجود ہے۔ میرے سامنے ہی اس سے اپنا بدلہ نکال لو۔"

حضرت انس رضؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے ہر چند سفارش کی مگر انھوں نے ایک نہیں سنی مصری کے ہاتھ میں کوڑا تھا اور امیر المومنین کے حکم سے عمرو بن عاص رضؓ کے لڑکے کے بدن پر سڑ اسٹر پڑ رہا تھا۔ اور خود امیر المومنین کے غصّے کا یہ عالم تھا کہ جب وہ ایک کوڑا مار چکتا تو آپ فوراً کہتے "اس بڑے آدمی کے بچے کو ابھی اور مار۔"

چند ہی منٹ میں لڑکا تیورا کر فرش پر گر پڑا۔

اس کے بعد فرمانے لگے "اچھا اب ذرا عمرو بن عاصؓ کی بھی کچھ خبر لے لے۔" عمرو بن عاصؓ لڑکے ہی کے سرا پر تھر تھر کانپ رہے تھے اپنا نام سنتے ہی گھبرا گئے کہنے لگے۔

"امیر المومنین! لڑکے پر جو مار پڑی ہے وہ حقیقت میں میرے ہی دل اور جگر پر پڑی ہے"

امیر المومنین نے ان کے ان عاجزانہ کلمات پر رحم تو فرمادیا مگر بہت ہی تیز لہجے میں ان سے پوچھنے لگے۔

"آخر خدا کی مخلوق کو تم لوگ کب تک اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا رکھوگے اور عمرو بن عاص رضؓ کا حال یہ تھا کہ سر جھکائے معافی اور عذر و معذرت کے کلمات ان کی زبان سے بے تکان ادا ہو رہے تھے۔

۱۵، مانگنے کا بہانہ

مشہور عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور ایک مرتبہ بصرہ گئے ہوئے تھے۔ جتنے دنوں وہاں رہے وہاں کے مشہور محدث حضرت ازہر سمان رح کے حلقہ درس میں جاکر ضرور شریک ہوا کئے۔

اتفاق سے کچھ ہی دن کے بعد ان ہی منصور کو دنیائے اسلام کی حکمرانی حاصل ہوگئی۔ ازہر کو موقع ہاتھ آگیا۔ فوراً ایک درخواست لے کر حاضر دربار ہوگئے۔ جس میں انہوں نے لکھا تھا۔

"میرا مکان بھی گر گیا ہے اور چار ہزار کے قریب قرضدار بھی ہو گیا ہوں

اس کے علاوہ لڑکے کی شادی بھی کرنا ہے لہذا بارہ ہزار روپیہ کی اگر سرکار سے امداد ہو جائے تو بڑا کرم ہوگا۔"

منصور ازہر رح کو فوراً پہچان گئے۔ بڑے تپاک سے پیش آئے اور فوراً بارہ ہزار روپیہ دلوا دیا۔ مگر ساتھ ہی یہ ہدایت بھی کر دی کہ اب آئندہ ایسی درخواست لے کر نہ آئیے گا۔

پورے ایک سال کے بعد یہ پھر آ پہونچے۔ منصور بولا "میں نے تو پار سال ہی آپ کو منع کر دیا تھا۔ اب کیوں آئے؟ کہنے لگے "جی! اور کچھ نہیں۔ صرف سلام کرنے کو حاضر ہو گیا ہوں۔"

منصور چھوٹتے ہی بولا "سلام کرنے کیا آئے ہوگے کچھ لینا ہوگا؟ پھر خود ہی کہنے لگا۔" اچھا بارہ ہزار روپیہ اور لے جاؤ۔ مگر دیکھو اب سلام کرنے بھی کبھی نہ آنا۔"

تیسرے سال یہ پھر آ پہونچے۔ منصور بڑا لال پیلا ہوا۔ کہنے لگا میں نے تو اتنی تاکید کے ساتھ تم کو یہاں آنے سے روک دیا تھا مگر تم نہیں مانے اور پھر آ گئے۔

ازہر رح بے ساختہ بولے کیا عرض کروں؟ آپ کی علالت کی خبر سن لی تھی۔ جی نہیں مانا۔ اور عیادت کے لئے آ گیا۔"

منصور یہ سنتے ہی ہنس پڑا، اور کہنے لگا۔" افسوس تم مانگنا نہیں چھوڑتے

اچھا یہ بارہ ہزار روپیہ اور دیئے دیتا ہوں۔ مگر مہربانی کر کے اب عبادت کے لئے بھی کبھی نہ آنا"۔

چوتھے سال یہ پھر آپہونچے۔ منصور نے تعجب کے ساتھ پوچھا۔ "بھائی اب کیسے آ گئے؟" کہنے لگے "مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ کو دعائیں یاد کرنے کا بہت شوق ہے۔ مجھے بہت سی اچھی اچھی دعائیں معلوم ہیں بس یہی خیال کر کے کہ لاؤ آپ کو بھی وہ دعائیں بتلا آؤں۔ اس لئے چلا آیا ہوں"۔

منصور بیساختہ بولا۔ "ہاں! مجھے ایسی دعا معلوم کرنے کی ضرورت ہے جس کے پڑھنے کے بعد تمہاری صورت مجھے دیکھنے کو نہ ملے، اچھا! بارہ ہزار روپیہ لیتے جاؤ اور اب جب جی چاہے آ جایا کرو۔ میں تمہیں روکتے روکتے تھک گیا۔ اور تم آتے آتے نہیں تھکے"۔

۵۲۔ دیندار رئیس

امیر المومنین ہارون رشید کو بہت دنوں سے دمشق کا کوئی جاسوس یہ لکھ لکھ کے بھیج رہا تھا۔ کہ یہاں سابق حکمران خاندان بنو امیہ کے فلاں رئیس کے یہاں لوگوں کی آمد و رفت بہت زیادہ بڑھتی جا رہی ہے اور دولت و ثروت کے ساتھ ظاہری ٹھاٹھ باٹھ میں بھی یوماً فیوماً اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

مسلسل ان رپورٹوں سے امیر المومنین کو یہ شبہ پیدا ہو گیا کہ کہیں کسی دن یہ چیز پائے تخت کے لئے مشکل کا باعث نہ بن جائے۔ اپنے خادم خاص منارہ کو ایک سو مسلح جوانوں کی معیت میں اسے گرفتار کر لینے کیلئے دمشق روانہ کر دیا۔

منارہ نے بھاگم بھاگ ساتویں ہی دن دمشق پہونچکر اس اموی کے محل کو گھیر لیا۔

واقعی اس کا محل نہایت پر شوکت، بڑا شاندار اور ہر قسم کی زیبائش و آرائش سے مرصع و مزین تھا۔ دروازے سے لیکر اندر تک لوگوں کے ہجوم کا ایک تانتا بندھا ہوا تھا۔ اور بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی آدمیوں کا جنگل نمودار ہو گیا ہو۔ یا کوئی سمندر ہے جس میں آدمیوں کی شکل میں کپڑے پہنے مچھلیاں تیر رہی ہوں۔

منارہ کے اچانک اس طرح ٹوٹ پڑنے سے سب حیران تھے کہ کیا ماجرا ہے؟ ایک ایک سے پوچھتا پھر رہا تھا کہ آخر یہ فوج کیوں آئی ہے اور یہ سالار لشکر کون ہے؟

سب سے پہلے تو اسے محل کے مسلح دربانوں نے روکا۔ مگر جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ یہ امیر المومنین کا خادم خاص منارہ ہے اور کوئی خاص پیغام ان کا لے کر آیا ہے۔ تو وہ بھی دم بخود رہ گئے۔

منارہ کہتا ہے کہ گھر کے اندر اس سے بھی زیادہ تزک و احتشام تھا۔ ہر چیز شاہی دربار کی طرح قرینے سے سجی ہوئی تھی کچھ لوگ بیچ میں پُر تکلف لباس پہنے ہوئے گدوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ ان ہی میں وہ اموی سردار بھی ہوگا۔ مگر یہ سنکر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کہ یہ سب لوگ اس کے ملازم و معتقد ہیں اور وہ خود نہانے گیا ہوا ہے

ان لوگوں نے بڑے ادب و احترام کے ساتھ منارہ کا استقبال کیا اور فوراً ہی ایک دوسرے مکان میں اس کے سپاہیوں کی کمریں کھلوا دی گئیں۔

منارہ ابھی یہاں کے ان پُر پیچ واقعات پر غور ہی کر رہا تھا کہ وہ اموی بھی باہر نکل کر آیا۔ اُسے دیکھتے ہی بوڑھے، جوان، نوکر چاکر، عزیز و رشتہ دار اور دوست احباب یکدم اس پر ٹوٹ پڑے اور پروانہ وار نثار ہونے لگے۔

اسی اثنا میں کسی نے منارہ کا بھی اس سے تعارف کرا دیا۔ اس نے فوراً سلام و مصافحہ کیا اور پھر بڑی دیر تک امیر المومنین کی خیریت وغیرہ دریافت کرتا رہا۔

اس کے بعد دستر خوان بچھ گیا۔ طرح طرح کے میوے اور مرغن کھانے قیمتی برتنوں میں لا کے چن دیئے گئے۔

منارہ کو بھی شرکت کے لئے کہا گیا مگر اس نے یہ کہہ کر قطعی انکار کر دیا کہ حکم شاہی کے مطابق مجھے پہلے اپنا کام کرنا ہے اور اس کے بعد فوراً واپس

ہو جانا چاہئے۔

منارہ کیلئے یہاں کی ہر چیز حیرت کو بڑھا رہی تھی اب وہ اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ اس کے اتنے جاں نثاروں اور خادموں کے بیچ میں خاص کر جب کہ اسے اس کے سپاہیوں سے بھی الگ کر دیا گیا ہے اس کی گرفتاری کیوں کر عمل میں لا سکیگا۔ اُسے ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ سب اسی پر ٹوٹ پڑیں۔ اور پکڑ کر بند کر دیں۔

کھانے سے فراغت کے بعد نماز ظہر کی تیاری ہونے لگی۔ نماز پڑھتے دیکھکر بھی اسے بڑا اچنبھا ہوا جس خضوع و خشوع کے ساتھ اس نے نماز ادا کی ایسی نماز بھی اس نے کسی کو پڑھتے نہیں دیکھا تھا۔

نماز سے فارغ ہو کر اس نے خود منارہ کو اپنے پاس بلا کر آنے کی وجہ دریافت کی۔ منارہ نے بڑھ کے امیر المومنین کا وہ فرمان جو انہوں نے بطور وارنٹ گرفتاری اس کے نام جاری کیا تھا۔ پیش کر دیا۔

فرمان شاہی دیکھتے ہی وہ ادب کے ساتھ اسے سر پہ لے کے کھڑا ہو گیا۔ اور متواتر کئی بوسے لے کر کھول کے پڑھنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد اس نے اپنے بال بچوں اور مخصوص قسم کے عزیزوں اور دوستوں کو بلا بھیجا۔ یہ لوگ تعداد میں اس قدر زائد تھے۔ کہ پورا محل ان ہی سے بھر گیا۔ اور پھر سب نہیں سما سکے۔

اس نے اسی وقت سب کو امن وسکون کی تلقین کرتے ہوئے امر واقعہ کی اطلاع دی۔ اور پھر نصیحتیں کرنا شروع کر دیں۔

اس کی نصیحتوں میں سب سے زیادہ زور اس بات پر تھا کہ "میرے بعد سچے راستے پر چلنا، نیک باتوں پر عمل کرنا۔ صوم وصلوٰۃ کا پابند رہنا گناہ کی باتوں سے بچے رہنا، اور جب تک میں واپس نہ آجاؤں دو آدمی ایک مکان اور ایک محلے میں مشترک طور پر زندگی نہ گذارنا وغیرہ وغیرہ"۔

یہ سب کہہ کر اس نے منارہ کو اجازت دیدی کہ اب شاہی حکم کے مطابق جس طرح چاہو لے کے چل سکتے ہو۔ چنانچہ منارہ نے فوراً اسکی مشکیں کس لیں۔ اور اسی وقت وہ اس کے عزیزوں، دوستوں اور عقیدتمند اعوان کو تڑپتا بلکتا چھوڑ کر لے کے چل دیا۔

منارہ کہتا ہے کہ جب ہماری یہ چھوٹی سی فوج اس کو گرفتار کر کے شہر کے اندر سے لئے جا رہی تھی تو اس اموی سردار پر میں نے کسی قسم کا خوف وہراس نہیں دیکھا۔ وہ برابر مجھ سے ہنس ہنس کے باتیں کرتے جا رہا تھا۔ اور جہاں کہیں اس کی جائدادیں، مکانات، کھیتی کسانی کے علاقے وغیرہ اُسے نظر آجاتے تھے۔ وہ برابر ان کی آمدنی پیداوار اور تاریخی واقعات وغیرہ بڑی شرح وبسط کے ساتھ بتاتا جاتا تھا۔

منارہ کو اس کی یہ پرسکون باتیں بھی بہت حیرت میں ڈال رہی تھیں

آخر کار وہ کہہ ہی بیٹھا کہ "تمہارا یہ حال ہے کیا ؟ تمہیں کچھ اپنے بچاؤ کی بھی تو کوئی تدبیر سوچنا چاہیئے ؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ عنقریب بغداد پہونچکر امیرالمومنین کے بے پناہ غیظ و غضب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

منارہ کی یہ سرزنش اسے بہت ناگوار گذری اور بار بار اِنّا لِلّٰہ و انّا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے غصے کے تیور میں کہنے لگا" مجھے یقین تھا کہ تم خلفاء کے درباروں میں اٹھتے بیٹھتے ہو۔ بڑے لوگوں سے سابقہ رہتا ہوگا کچھ عقلمند اور مردم شناس ہو گے ؟ مگر افسوس ہے کہ میرا اندازہ غلط نکلا اور معلوم ہو گیا کہ تم نرے جاہل اور عامی آدمی ہو! خلفاء و امراء کے درباروں میں تمہیں بیٹھنے کی قطعاً صلاحیت نہیں ہے اور رہی وہ بات جو تم نے کہی تو اس کا میرے پاس یہی ایک پہلا اور آخری جواب ہے کہ

" مجھے اپنے خدا پر پورا پورا بھروسہ ہے اور یقین ہے کہ اسے مجھ پر جیسی قدرت حاصل ہے۔ ایسی ہی امیرالمومنین پر بھی حاصل ہے۔ بغیر اس کی مشیت کے کوئی کسی کو نہ نفع پہونچا سکتا ہے اور نہ نقصان، اب اگر اسی نے میری تباہی اور ہلاکت کا فیصلہ کر لیا ہے تو اسے دنیا کی کوئی طاقت ٹلوا نہیں سکتی۔ اور اگر اس کے یہاں ابھی میری کچھ اور زندگی و عزت لکھی ہے تو یاد رکھو ایک امیرالمومنین کیا روئے زمین کے تمام باشندے مل کر بھی مجھے کوئی گزند نہیں پہونچا سکتے "

اس کے ساتھ اس نے یہ بھی کہہ دیا کہ

"ان خرافات سے جو امیر المومنین کو میری جانب سے لگائی گئی ہیں میرا دامن بالکل پاک و صاف ہے۔ امیر المومنین خود ماشاءاللہ عقل و دانش سے کافی بہرہ ور ہیں جب وہ میرے معاملات پر غور کریں گے تو ان کے انصاف سے مجھے قوی امید ہے کہ وہ پھر مجھے کسی قسم کی تکلیف پہونچانا ہرگز روا نہیں رکھیں گے"

اس گفتگو کے بعد جیسا کہ اس نے زبانی کہہ بھی دیا تھا۔ دار الخلافت میں پہونچنے تک کسی قسم کی کوئی بات چیت نہیں کی۔ دن رات اپنے اوراد و وظائف میں مشغول رہتا تھا اور بس۔

منارہ کہتا ہے کہ ہم لوگ ٹھیک تیرھویں دن بغداد پہونچ گئے۔ امیر المومنین کو جیسے ہی معلوم ہوا کہ ہم لوگ آگئے ہیں تنہائی میں بلا کر مجھ سے ایک ایک بات وہاں کی دریافت کی۔ میں نے تاریخ وار اس کے سب حالات بتا دیئے۔ اور جو کچھ وہاں رہتے دیکھنے میں آیا تھا یا جو خیالات وقتاً فوقتاً مجھ پر طاری ہوئے تھے یا جن جن باتوں کے متعلق مجھ سے اس کی اور اس کے درباریوں کی بات چیت ہوئی تھی سب من و عن بیان کر دی۔

منارہ کہتا ہے کہ میں جتنی دیر وہاں کی خبریں انھیں سناتا رہا ان پر

ایک رنگ آتا اور ایک جاتا رہا۔ خاص طور سے وہ آخری بات کو سُن کر اناللہ وانا الیہ راجعون۔ پڑھتے ہوئے اٹھ بیٹھے اور کہنے لگے۔ "یہ شخص کوئی درویش منش رئیس اور دیندار دولت مند معلوم ہوتا ہے۔

اس کے خلاف اب تک جتنی شکایات آئی ہیں وہ یا تو بغض و حسد پر مبنی تھیں اور یا محض ناواقفیت پر محمول معلوم ہوتی ہیں۔ یہ کہتے ہی کہتے انہوں نے اس کی ہتھکڑی وغیرہ کھلوا کر عزت کے ساتھ اپنے دربار میں بلا لیا۔

وہ آتے ہی امیر المومنین کے قدموں پر گر گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد خود امیر المومنین نے اس کے سر کو اپنے پیروں سے الگ کرتے ہوئے بیٹھنے کی اجازت دیدی۔ دیر تک اس کے اس طرح گرفتار کر کے بلائے جانے کے وجوہ واسباب بتلا کر اپنی معذرت ظاہر کرتے رہے۔ اور آخر میں آپ ازراہ قدر افزائی اس کی پرائیوٹ ضروریات وغیرہ دریافت کرنے لگے۔ مگر اس نے اس کے جواب میں سوائے شکریہ کے اور کوئی فرمائش نہیں بیان کی۔ ہاں اتنا اور کہا کہ اب جس قدر جلد ہو سکے مجھے میرے وطن میں پہونچوا دیجیے۔ تاکہ جلد ہی ان تمام دوستوں عزیزوں اور اہل و عیال سے جنہیں چلتے وقت خود ہی متفرق و منتشر ہو جانے کا حکم دے آیا تھا پھر اکٹھا کر کے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر سکوں۔"

امیر المومنین نے بکمالِ محبت اطمینان دلاتے ہوئے جواب دیا کہ "یہ تو خیر عنقریب ہو ہی جائے گا۔ میں تم سے تمہاری ضروریات اور خواہشات پوچھنا چاہتا ہوں"۔

مگر ایجے بھی اس نے اس سلسلے کی کوئی بات نہیں کہی اور یہ کہنے لگا کہ "اگر آپ کا ایسا ہی اصرار ہے تو ان لوگوں سے محاسبہ کیجئے جن کی غلط سلط رپورٹوں کی وجہ سے آپ مجھ سے اتنا ناراض اور مجھے اس قدر ذلیل ہونا پڑا ہے"۔

امیر المومنین نے وعدہ کیا کہ بہت جلد اس کے متعلق بھی ضروری کاروائی عمل میں لاؤں گا۔ اور پھر کافی مال و دولت اور بیشمار خلعتوں سے سرفراز کر کے منارہ کو حکم دیا کہ "جس طرح اسے وہاں سے لائے تھے اسی طرح اس کے وطن میں اسے واپس بھی پہونچا آؤ"۔

۵۳۔ اسم اعظم

حضرت ذوالنون مصری رح کے متعلق عام طور سے یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ انھیں اسم اعظم کا عمل معلوم ہے۔ اسی شہرت کی بنا پر ایک شخص کو جس کا نام یوسف بن حسن تھا اس کے حصول کی لاگ پیدا ہوئی

چنانچہ ایک دن وہ دور دراز راستہ طے کر کے مصر آپہونچا۔ اور حضرت ذوالنون رح کی خدمت کرنے لگا۔

وہ کہتا ہے کہ رہتے رہتے مجھے پورا ایک سال ہو گیا تھا۔ اور اب تک میں نے ان سے کوئی خواہش نہیں ظاہر کی تھی۔ اتفاق سے ایک بار وہ مجھے اکیلے مل گئے اور میں نے ان سے اپنا دلی شوق بیان کر دیا۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ اسی غرض سے میں آپ کے یہاں آیا بھی ہوں، اور اتنے دنوں رہتے ہوئے گذر گئے ہیں۔

اور بغیر کسی وجہ کے یہ شرط بھی اپنے اوپر عائد کر لی کہ " اگر آپ مجھے اس کے تمام کرتب بتا دیں گے تو عمر بھر احسان مند رہنے کے علاوہ پوری دیانت کے ساتھ اسے کام میں لاؤں گا"

اس پر وہ ہنستے ہی رہے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ یہاں تک کہ اس بات کو بھی چھ مہینے بیت گئے۔

چھ مہینے کے بعد ایک دن خود حضرت ذوالنون رح ہی کہنے لگے " آؤ آج تمہیں اسم اعظم کا عمل سکھا دوں" اپنے گھر مجھے پکڑ لے گئے۔ اور ایک لگن جس پر سینی ڈھکی ہوئی تھی رومال میں باندھ کر میرے پاس لائے اور بولے " اسے فسطاط (جو وہاں سے بہت دور تھا) میں فلاں شخص کو دے آؤ"

میں اسم اعظم کے شوق میں اسے اسی وقت لاد کر پہونچانے چل دیا۔

مگر راستے ہی میں مجھے شیطان نے بہکانا شروع کر دیا کہ آخر اس آدمی کو شیخ نے کیا تحفہ بھیجا ہے کھول کر دیکھنا چاہیے۔

بہت دیر کی سوچ بچار کے بعد دریائے نیل کے پل پر پہونچکر رومال کھول ڈالا۔ لیکن لگن سے سینی کو جوں ہی الگ کیا ہے ایک چوہا اس میں سے نکل کر ایک طرف بھاگ گیا۔ چوہے کے علاوہ اس میں اور کچھ نہ تھا۔ شیخ نے یوں ہی خالی چوہا اس کے اندر بند کر کے اتنی دور مجھے دوڑایا تھا۔ شیخ کی کاروائی سے فوری طور پر مجھے بڑا غصہ آیا اور ایک دم میرا خون کھول اٹھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے شیخ نے میرے ساتھ مذاق کر کے مجھے نکما گردانا ہے۔

غرض یہی پیچ و تاب کھاتا ہوا میں لوٹا آ رہا تھا کہ دروازے ہی پر شیخ کھڑے مل گئے۔ وہ غالباً میرا ہی انتظار کر رہے تھے۔ قبل اس کے کہ میں ان سے کچھ کہوں وہ الٹا مجھ ہی پر برسنے لگے۔ کہنے لگے۔

میں نے ایک چوہا تمہارے سپرد کیا تھا۔ جب تم اسے دیانتداری اور حفاظت کے ساتھ نہیں پہونچا سکے تو اسم اعظم بھلا کیسے محفوظ رکھ سکوگے"

یہ کہتے ہی کہتے انھوں نے مجھے خانقاہ سے باہر نکلوا دیا۔ اور تاکید کر دی کہ آئندہ وہاں پھر گھسنے کا نام بھی نہ لوں"۔

۵۴۔ بندگی کا حلقہ اثر

حضرت حذیفہ مرعشی رح حضرت ابراہیم خواص رح کے مشہور خادم ہیں اور عرصہ تک شب و روز وہ انھیں قریب و دور سے دیکھتے رہے ہیں۔ ایک دن ان سے کسی نے حضرت ابراہیم رح کی کرامت کے متعلق کچھ دریافت کیا تو کہنے لگے۔

ہم لوگ ایک دفعہ پیدل سفر کرتے ہوئے مکہ معظمہ جا رہے تھے اور کئی دن سے کھانے پینے کی کوئی چیز میسر نہیں آئی تھی۔ اسی حالت میں کوفہ کی ایک ویران مسجد میں جا کے قیام کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت ابراہیم رح مجھے دیکھ کر کہنے لگے۔

آج تم پر بھوک کا غلبہ زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ اچھا! قلم دوات لے آؤ میں تمہیں ایک پرچہ لکھ دوں اور کچھ سامان وغیرہ بازار سے جا کے خرید لاؤ"۔

میں حیران تھا کہ اس ناواقف شہر میں یہ کون ان کا اتنی گہری جان پہچان کا آدمی نکل آیا ہے۔ پھر بھی میں نے قلم دوات پیش کر دی۔ اور انہوں نے ایک کاغذ پر بغیر کسی القاب و آداب کے تین شعر لکھ کے میرے حوالے کر دیئے اور کہا کہ دیکھو غیر اللہ کا وسوسہ دل میں ہرگز نہ آنے پائے۔ خالص اللہ کا تصور کرتے ہوئے ایک جانب اشارہ کر کے بتایا کہ اس طرف چلے جاؤ اور جو شخص

سب سے پہلے تمہیں اُدھر سے آتا ملے۔ اُسے یہ پرچہ دے دینا۔

ان شعروں کا مفہوم یہ تھا۔

"میں حامد ہوں، میں شاکر ہوں، میں ذاکر ہوں۔ اس وقت بھوکا ہوں مرنے کے قریب آلگا ہوں، اور کپڑے بھی پھٹ گئے ہیں۔ یہ چھ چیزیں ہیں جس میں سے ابتدائی تین چیزیں تو میں نے اپنے ذمّہ لے رکھی ہیں اور آخر کی تین چیزوں کو تو اپنے ذمّہ لے لے"

غرض میں اس رقعہ کو لئے ہوئے جس طرف انھوں نے بتایا تھا روانہ ہو گیا۔ سب سے پہلے جس آدمی سے ملاقات ہوئی۔ وہ خچر پر سوار چلا آرہا تھا۔ میں نے اسی کو روک کر یہ پرچہ دیدیا

اُس نے غور سے اس پرچے کو پڑھ کر مجھ سے پوچھا۔ یہ صاحب کہاں مقیم ہیں؟ اور اس کے بعد زار و قطار روتے ہوئے چھ سو درہم کی ایک تھیلی مجھے دے کے کہنے لگا "بس یہ جاکے ان کے نذر کر دینا" اس کے بعد وہ اپنی راہ ہو لیا۔

میں تعجب میں تھا کہ پردیس میں یہ کون اللہ کا بندہ مل گیا ہے جو اتنی ہمدردی کرنے کے لئے تیار ہو گیا ہے۔ اتنے میں ایک اور شخص نظر آگیا میں نے اس سے اس خچر سوار کے متعلق تحقیقات کی تو پتہ چلا کہ وہ یہاں کا ایک مشہور عیسائی پادری ہے اور قریب ہی کے گرجا میں رہتا ہے۔

میں اس کی دبی ہوئی تھیلی لے تو آیا۔ مگر آتے ہی حضرت ابراہیمؒ سے
منع کر دیا کہ اسے ہاتھ بالکل نہ لگائیے گا۔ اس کا دینے والا ایک عیسائی
پادری ہے اور وہ بس اب آتا ہی ہوگا۔

چنانچہ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ آبھی پہونچا۔ لیکن یہ دیکھ کر سب حیران
رہ گئے کہ وہ آتے ہی ان سے لپٹ گیا اور کئی بار ہاتھ منھ کا بوسہ دیتے
ہوئے مسلمان ہو گیا۔

اس کے مسلمان ہو جانے سے حضرت ابراہیم رح بہت خوش
ہوئے اور یہاں تک خدا کا شکر ادا کیا کہ آنکھوں سے خون کا دریا بہہ نکلا۔

۵۵، خوفِ خدا کی حد

ایک شخص تھے جن کی کنیت نام سے زیادہ مشہور تھی یعنی دینار العیار۔
ان کی والدہ تو بہت ہی پارسا اور خدا رسیدہ بزرگ تھیں لیکن یہ خود نام نہند
زنگی کا فور کے مصداق سراپا فسق و معصیت تھے وہ بے چاری انھیں نصیحت
کرتے کرتے تھک جاتی تھیں۔ اور یہ تھے کہ اس کان سے سنتے اور اس کان
اڑا دیتے تھے۔

ایک دن اتفاق سے یہ کسی مقبرے کی طرف جا نکلے اور وہاں انھیں

انسانی ہڈی کا کوئی ٹکڑا پڑا نظر آگیا۔ یہ ہڈی اس قدر بوسیدہ ہو چکی تھی کہ جہاں سے بھی ہاتھ لگتا، الگ ہو جاتی تھی۔

بس اس منظر کا سامنے آنا تھا کہ خیالات میں ایک دم انقلاب پیدا ہو گیا۔ یہ معلوم ہوا جیسے کسی نے بجلی کی سی رَو تمام جسم میں دوڑا دی ہو۔ دل لرز اٹھا۔ ہاتھ پیر تھر تھرانے لگے، اپنے بارے میں سوچنے لگے کہ" ایک دن اسی طرح میرے جسم اور جسم کی ہڈیاں بھی مٹی میں مل کر بھوسہ بھوسہ ہو جائیں گی۔ اور پھر اپنے گناہوں اور سرکشیوں کی یاد آئی۔ بیساختہ سجدے میں گر گئے اور توبہ واستغفار کرنے لگے۔

اسی شکستہ خاطری اور اداسی کے عالم میں گھر آئے اور آتے ہی اپنی ماں سے پوچھنے لگے: "اے ماں اگر کسی مالک کا کوئی بھگوڑا غلام کہیں پکڑ مل جاتا ہے تو وہ اس کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے؟"

ماں نے جواب دیا کہ" مالک اسے اچھے کپڑوں کی جگہ پر خراب اور کھُردرے کپڑے پہننے کو اور موٹا جھوٹا کھانے کو دیتا ہے اور ہاتھ پیر زنجیروں سے جکڑ کر باندھ دیتا ہے۔"

یہ سنتے ہی کہنے لگے۔

تو پھر اے ماں! مجھے بھی ایک کمبل کا کرتہ اور پاجامہ بنوا دو، اور جو جو کی روٹی کھانے کو دیا کرو، اور وہی سب سلوک کرنا شروع کر دو جو ایک

مالک اپنے بھگوڑے غلام کے ساتھ کیا کرتا ہے کیا عجب ہے کہ اللہ تعا
کچھ اسی طرح میرے گناہوں کی بخشش کردے"

لڑکے نے جیسا کہا تھا ماں نے ویسا ہی سب انتظام کر بھی دیا۔ مگر
جب اس نے یہ دیکھا کہ آناً فاناً اس کی بے چینی اور تڑپ بڑھتی ہی جاتی ہے۔
تو سمجھانے لگی کہ "اب اس طرح جان بھی نہیں دیدینا چاہیئے۔ نرمی اور میانہ
روی اختیار کرنے کی ضرورت ہے"

مگر ہوا یہ کہ وہ جتنا سمجھاتی گئی اس کا تڑپنا اور بلکنا بڑھتا ہی گیا۔
یہانتک کہ وہ یکبارگی چیخ چیخ کے کہنے لگا۔

"اے ماں! اب مجھ سے کچھ نہ بول، مجھے میرے حال پر پڑا رہنے دے
آج کی یہ تھوڑی تکلیف کل کے مستقل آرام کے مقابلے پر کوئی حیثیت
نہیں رکھتی ۔ اور اس کے بعد ایک زبردست جھرجھری لیتے ہوئے
پوچھنے لگا۔

"اماں! کل قیامت کے دن جب حضرت حق کے سامنے سب
کی پیشی ہوگی۔ اولین وآخرین جمع ہوں گے۔ حساب وکتاب کا بازار گرم
ہوگا۔ جنّت و دوزخ کے دروازے پاٹوں پاٹ کھلے ہوں گے، جنتی..
جنت میں اور دوزخی دوزخ میں پہونچائے جا رہے ہوں گے۔ میرا کیا
حشر ہوگا جہنّم کی دہکتی آگ میں جھونک دیا جاؤں گا یا جنّت کے آراستہ

باغوں میں داخل کیا جاؤں گا؟ یہ کہتے ہی کہتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ آواز گلوگیر ہو گئی۔

ماں نے ایک بار پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر اس نے کوئی توجہ نہیں کی۔ اور کہنے لگا

" اماں! میرا تو اس ڈر سے پتہ پانی پانی ہوا جا رہا ہے کہ کہیں قیامت کے دن دوزخ کے ڈراونی شکل وصورت والے فرشتے مجھے اس کے آگ کے کھولتے ہوئے سمندر اور سانپ بچھو سے لبریز خون و پیپ کے اندھے کنوؤں میں نہ جھونک دیں؟

ماں کہتی ہے کہ غرض پوری رات اس کی ان ہی باتوں میں کٹ گئی۔ سفیدۂ صبح نمودار ہونے ہی کو تھا کہ قرآن مجید نکال کر پڑھنے بیٹھ گیا جب وہ آیت فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ پر پہونچا ہے جس میں خدا نے کہا ہے کہ قیامت کے دن ہم خود ہر آدمی سے اسکے اعمال کا محاسبہ کریں گے۔ تو پہلے وہ ذرا دیر ٹھہرا۔ اس کے معانی ومطلب پر غور کیا۔ اور پھر زار و قطار روتے ہوئے تڑپ کے زمین پر گر گیا۔ میں نے دوڑ کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کی آنکھوں کا نور ختم ہو چکا ہے اور نزع کی کیفیت طاری ہے۔

ماں اس کی یہ حالت دیکھتے ہی بوکھلا گئی۔ پوچھنے لگی۔

"اے لختِ جگر، نورِ بصر، دل کی ٹھنڈک اب کہاں ملو گے"؟ تو اس نے بے نور پتھرائی ہوئی آنکھیں فوراً کھول دیں اور بہت ہی نحیف و کمزور آواز میں کہنے لگا" اے ماں! اگر قیامت کے دن تم مجھے کہیں نہ پانا تو سیدھی دوزخ کے دروازے پر چلی آنا۔ اور وہاں کے داروغہ سے دریافت کر لینا"۔

یہ کہہ کر اس نے ایک بہت ہی خوفناک قسم کی چیخ ماری اور زمین و کی چیر دینے والی انگڑائی لیتے ہوئے اپنی پیاری جان، جان آفریں کو سپرد کر دی۔

راوی کا بیان ہے کہ ماں نے جنازہ تیار کر کے شہر میں ان الفاظ کے ساتھ ڈھنڈورہ پٹوایا تھا۔

"اے مسلمانو! آؤ ایک ایسے شخص کی نمازِ جنازہ پڑھ لو جو فقط دوزخ کے خوف سے فنا کے گھاٹ اتر گیا ہے"۔

اس اعلان کے سنتے ہی چاروں طرف سے لوگ ٹوٹ پڑے اور بتایا جاتا ہے کہ جتنا آدمی اس کے جنازہ میں شریک ہوا تھا آج تک کسی کے جنازہ میں دیکھا ہی نہیں گیا۔ اور رقّت و اثر کا تو یہ عالم تھا کہ کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جس سے خون کی ندیاں نہ بہہ رہی ہوں۔

تجہیز و تکفین کے بعد پہلی ہی شب میں اس کے ایک دوست نے

اُسے خواب میں دیکھا کہ وہ سبز رنگ کے نہایت قیمتی ریشمیں کپڑے پہنے ہوئے جنت کے باغوں میں فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ پڑھ پڑھ کے ٹہل رہا ہے اپنے دوست کو دیکھتے ہی کہنے لگا۔

" پروردگار نے مجھ پر رحم فرمادیا پوچھ گچھ کے بعد میرے سارے گناہ معاف کردیئے اور عزت کے ساتھ جنّت میں داخل کردیا ہے "

اور اسی کے ساتھ اُس نے اس کو یہ بھی ہدایت کی کہ میری یہ سب کیفیت میری والدہ سے بھی جا کے بیان کردینا۔

۵۶، جنّتی کفن

حضرت حسن بصری رح کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک سائل نے مسجد میں آکر سوال کیا۔ مگر کسی نے اس کی بات پر کچھ دھیان نہیں دیا۔ اور اسے بھوکا ہی رہ جانا پڑا۔

یہ سائل تھا واقعی کئی دن سے سخت بھوکا۔ اور جب کسی طرح اس سے برداشت نہیں ہوسکا تو دست سوال دراز کرنے کے لئے مجبور ہوا تھا۔ آخر حصّۂ شب میں اس کی حالت بالکل غیر ہوگئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو

بھیجکر قبض روح فرمائی اور فرشتوں سے کہہ دیا۔

"اب میرے بندے کو بھوک کی بہت تکلیف ہے جاؤ اسے میرے ہی پاس لے آؤ"

چنانچہ صبح کو جب موذن مسجد کے اندر داخل ہوا تو اُسے مردہ پایا، موذن لاش کو دیکھتے ہی گھبرا گیا اور پہچانتے ہوئے کہ یہ تو اسی رات والے سائل کی لاش ہے۔ محلے کے لوگوں کو اطلاع دی، اور وہ چندہ کرنے میں مشغول ہو گئے۔

ابھی اس کی میت مسجد کے اندر ویسی ہی پڑی ہوئی تھی۔ لیکن تجہیز و تکفین کی غرض سے جب لوگ اسے اندر سے باہر لانے کے لئے گئے۔ تو یہ دیکھ کر سب اچنبھے میں رہ گئے کہ محراب میں ایک پرچہ کے ساتھ اس کا کفن بھی سلا سلایا رکھا ہوا ہے اور پرچے پر یہ لکھا ہوا تھا۔

"تم لوگ بڑے بدبخت اور کمینے ہو۔ تمہارا دیا ہوا کفن ہم اپنے کسی دوست کے لئے ہرگز نہیں قبول کر سکتے۔ اس نے بھوک سے بیتاب ہو کر تم لوگوں سے کھانے کے لئے مانگا۔ مگر سب کچھ میسّر آنے کے باوجود کسی نے ایک لقمہ تک اُسے نہیں دیا۔ یاد رکھو! جو شخص ہمارا ہو جاتا ہے ہم بھی اُس کے لئے کسی غیر کا احسان لینا کبھی گوارا نہیں کرتے"

۵۷، زندہ جنازے

ابو علی مصری رح سے منقول ہے کہ ہمارے پڑوس میں ایک شخص رہا کرتا تھا۔ جس نے مردوں کو نہلانا، دھلانا، کفن وغیرہ تیار کرنا، مدتوں سے اپنا شعار سا بنا رکھا تھا۔

یہ شخص اتفاق سے ایک دن میرے یہاں آگیا۔ اور میں بر سبیل تذکرہ اس سے پوچھ بیٹھا کہ "تم نے ہزاروں مردے اب تک نہلائے دھلائے اور کفنائے دفنائے ہوں گے۔ بھلا اس سلسلے میں کبھی کوئی خاص واقعہ بھی دیکھنے میں آیا؟"

اس نے جواب دیا کہ ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ ایسے ایسے حیرت انگیز واقعات پیش آچکے ہیں کہ اگر کہیں آپ ان سے دوچار ہو جائیں تو ہوش بھی بجا نہیں رکھ سکتے۔"

مجھے ایسے واقعات سننے کا بڑا شوق تھا۔ اس لئے میں نے اس سے خواہش کی کہ اچھا تمہارے خیال میں جو سب سے اہم واقعہ گذرا ہو اُسے سناؤ تو کہنے لگا۔

"ایک مرتبہ دن کا وقت تھا اور پانی برس کے صاف ہوا ہی تھا کہ ایک گیہوں رنگ کا قبول صورت نوجوان براق سے سفید کپڑے پہنے ہوئے میرے پاس آیا اور کہنے لگا۔ کہ ہمارے یہاں ایک جنازہ ہے اُسے ذرا

چل کے نہلا دو۔ میں فوراً اس کے ساتھ ہو لیا۔ کچھ ہی دور گیا ہوں گا کہ اس کا مکان آگیا۔ اور وہ اس میں داخل ہو گیا۔ میں باہر کھڑا سوچ رہا تھا کہ شاید پردہ وغیرہ کرا رہا ہو گا۔ عنقریب آواز دے کر بلالے گا۔ مگر امید کے بالکل برخلاف تھوڑی ہی دیر کے بعد بجائے اس کے ایک نوجوان عورت روتی ہوئی دروازے پر آئی۔ اور آڑ میں کھڑی ہو کر پوچھنے لگی۔

"کیا تم ہی نہلانے کے لئے آئے ہو؟"۔

میں منتظر تو تھا ہی فوراً بول اٹھا، ہاں ؟ بہر حال وہ مجھے اندر بلا لے گئی۔ اب آپ سے کیا کہوں کہ میں نے وہاں جا کر کیا دیکھا ؟ میں نے دیکھا یہ کہ جو شخص مجھے بلا کر لایا تھا وہی خود سکرات کے عالم میں پڑا ہوا ایڑیاں رگڑ رہا ہے اور کفن وغیرہ سب سلا سلایا خوشبوؤں سے معطر اس کے سرہانے رکھا ہوا ہے۔

یہ منظر دیکھتے ہی گویا میرے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی میں ابھی اچھی طرح اپنے ہوش و حواس ٹھکانے بھی نہیں کر پایا تھا کہ اس نے میرے ہی سامنے دو تین ہچکیاں لیں، آنکھیں الٹیں پلٹیں اور اس دنیا سے اللہ اللہ کرتا ہوا رخصت ہو گیا۔

میں حیرت و استعجاب میں ڈوبا ہوا تو ضرور تھا مگر یہ جان گیا کہ یہ شخص خدا کا کوئی پاک بندہ تھا اور اسے اپنی موت کا پہلے ہی سے علم ہو گیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ لرزتے ہوئے ہاتھوں اور کپکپاتے ہوئے دل کے ساتھ
میں اٹھا اور جنازے کی شکل میں سب کام ٹھیک کر دیئے اس کے بعد یہ
لڑکی جو متوفی کی بہن تھی اس کی لاش کے قریب آئی اور چادر سے منھ
کھول کر بوسہ لیتے ہوئے کہنے لگی۔

"جاؤ بھائی! فی امان اللہ، میں بھی بہت ہی جلد تمہارے پاس
آتی ہوں" یہ کہہ کر وہ میری طرف متوجہ ہوئی اور بہت ہی میٹھے لفظوں
میں شکریہ ادا کرتے ہوئے بولی۔

"اگر آپ کی اہلیہ بھی اس کام سے واقف ہوں تو ذرا میرے پاس
انھیں بھیجدیجئے گا"!

اس کے یہ جملے اس قدر خوف و اثر میں ڈوبے ہوئے تھے کہ ایک
دم میرا دل سن سے ہو گیا۔ خاص کر یہ محسوس کر کے کہ شاید بھائی کی طرح
اسے بھی اپنی موت کا وقت پہلے ہی سے معلوم ہو گیا ہے!

شام کو گھر لوٹ کر میں نے یہ سارا قصہ اپنی اہلیہ سے بتاتے ہوئے
وعدہ کے مطابق اس سے ملانے کے لئے چلا گیا۔

اس مرتبہ جب میں وہاں پہونچا ہوں تو دروازہ اندر سے بند تھا آواز
دینے پر وہی لڑکی آئی اور میری اہلیہ کو اندر بلا لے گئی۔

میری اہلیہ کہتی ہیں کہ "جیسے ہی میں اس کے ساتھ گھر کے صحن میں داخل

ہوئی ہوں وہ اچانک قبلہ رو دھم سے زمین پر گر پڑی۔ میں یہ سمجھی کہ شاید بیہوش ہو گئی ہے مگر قریب گئی تو معلوم ہوا کہ اس کی روح بھی قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ آج بھی ان دونوں بھائی بہن کی قبریں ایک ہی جگہ پر برابر ہی برابر بنی ہوئی سب کو اتحاد و اخوت کا سبق دے رہی ہیں۔

۵۸، دو غریب دیہاتی

ایک دفعہ قیس بن سعد رح سے جو اپنے زمانے کے تین سخیوں میں سے ایک سخی قرار دیئے گئے ہیں کسی نے یہ سوال کر دیا کہ آپ نے اپنے سے بڑھ کر بھی کسی سخی کو دنیا میں دیکھا ہے؟ تو بولے ہاں! دو غریب دیہاتی میاں بی بی مجھ سے بھی زیادہ سخی معلوم ہوئے ہیں۔ اور اس کے بعد آپ نے یہ واقعہ سنایا۔

ایک دفعہ برسات کے موسم میں مجھے اپنے دوستوں کے ساتھ جہاں یہ دونوں میاں بی بی رہا کرتے تھے جانے کا اتفاق ہو گیا۔ جس وقت ہم لوگ ان کے دروازے پر پہونچے ہیں تو صرف عورت گھر کے اندر موجود

تھی، شوہر کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا۔ عورت نے فوراً گھر کی دودھ دیتی بکری ہم لوگوں کے لئے ذبح کر کے بھون ڈالی۔

کھانا کھا کے فارغ ہوئے ہی تھے کہ اس کا شوہر بھی آگیا۔ وہ ہم لوگوں کو مہمان دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اور صبح اٹھتے ہی ایک اونٹ ذبح کر کے ہم لوگوں کے سامنے رکھدیا۔ اور اس وقت سے صبح و شام یہی دستور قائم ہوگیا۔ کہ باسی گوشت وہ سب اندر اٹھا لے جاتا۔ اور تازہ ذبح شدہ اونٹ کا گوشت ہم لوگوں کو بھنوا کر دے جاتا۔

ہم لوگوں نے کئی بار اسے ٹوکا بھی کہ ایسا نہ کرے ایک ہی اونٹ کئی دن تک ہم لوگوں کے لئے کافی ہو سکتا ہے مگر اس نے ہماری کوئی بات نہیں سنی، کہنے لگا۔

ہم اپنے مہمانوں کو باسی گوشت کھلانا کبھی پسند نہیں کرتے"۔ غرض یہ کہ متواتر کئی دن تک پانی نہ کھلنے کی وجہ سے ہم لوگوں کو وہاں رہ جانا پڑا۔ اور وہ روزانہ دو اونٹ ہم لوگوں کے لئے کاٹ کے رکھدیتا تھا۔

چلتے وقت میں نے یہ خیال کر کے کہ ان لوگوں نے ہماری وجہ سے اپنے اتنے اونٹ کاٹ ڈالے ہیں۔ سو اشرفیوں کی ایک تھیلی ان کی آنکھ بچا کر چھوڑ دی اور چلا آیا"۔

ہم لوگ گاؤں سے نکل کر تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ پیچھے سے شہ

اور اس کا شوہر دونوں گالی کوسنے دیتے ہوئے آتے دکھائی دیئے ۔ جب قریب آئے تو دیکھا کہ ان کا چہرہ غصہ سے لال ہو رہا ہے اور میری تھیلی ہاتھ میں لئے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں ۔

کمینو! تم لوگ ہماری میزبانی کی یہ اُجرت دے گئے آئے ہو؟ اور یہ کہتے ہی کہتے وہ تھیلی انہوں نے میرے آگے پھینک دی ۔

میں تم سے کیا بتاؤں کہ اس وقت ان کے غصّے کا کیا حال تھا؟ ان کی آنکھیں لال بھبھوکا بنی ہوئی تھیں ۔ اور بچیکہ جاری تھا ۔ اسی حالت میں اس نے یہ بھی کہا کہ "بس خیریت اسی میں ہے کہ یہ اپنے ٹھیکرے اپنے ساتھ ہی لیتے جاؤ ۔ ورنہ یاد رکھو کہ ہم تمہارے مہمان اور مسافر ہونے کا کوئی خیال نہیں کرینگے مارے نیزوں کے ابھی یہیں سب کا کچومر نکال دیں گے ۔

مجبوراً مجھے اپنا روپیہ واپس لے لینا پڑا ۔

---

۵۹ ، امداد در امداد

اصمعی رح کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایک ایسے آدمی سے ملنے چلا گیا جس نے اپنی سخاوت کی زیادتی کی وجہ سے کنگال ہو کر بالکل گوشہ نشینی اختیار کر رکھی تھی ۔ حسبِ دستور سابق چپراسی وغیرہ تو سب لگے ہوئے تھے

مگر در و دیوار پر بلا کی ویرانی چھائی ہوئی تھی۔

میں جیسے ہی اندر جانے کے لئے بڑھا تو ادربی نے قریب آکر بتایا کہ "اگرچہ میں آپ جیسے لوگوں کو روکنے کیلئے یہاں پر مامور نہیں ہوں۔ لیکن ویسے یہ ایک حقیقت ہے کہ آج کل ہمارے مالک کا ہاتھ پیسے سے بالکل خالی ہے۔ اسی لئے مجھے یہ ہدایت کر دی گئی ہے کہ میں کسی کو ان کے پاس جانے نہ دوں۔

یہ سنتے ہی میں نے ایک پرچے پر ایک شعر لکھ کر اُسے دیا کہ اچھا تو یہ پہونچا دو۔

اس شعر کا مضمون یہ تھا۔

"جب سخی ہی لوگ روپوشی اختیار کرنے لگیں گے تو اوروں کا کیا شکوہ کیا جا سکے گا"۔

اصمعی رح کہتے ہیں کہ اس نے جیسے ہی میرے پرچے کو پڑھا ہے۔ پانچسو اشرفیوں کی ایک تھیلی اندر سے بھیجتے ہوئے اسی پرچے کی پشت پر اسی بحر و قافیے میں اس مضمون کا شعر لکھ کے واپس کر دیا۔

"سخی کے پاس جب رقم تھوڑی رہ جاتی ہے تو وہ مانگنے والوں سے شرمندہ نہ ہونے کے لئے پردے کے اندر نہ بیٹھ جائے اور کیا کرے"۔

اصمعی رح کہتے ہیں کہ اس واقعے کا مجھ پر بڑا اثر ہوا اور میں پرچہ اور

تھیلی دونوں لئے ہوئے سیدھا امیر المومنین ماموں رشید کے یہاں آیا۔
اور ان سے بغیر اس کا نام بتائے ہوئے پورا واقعہ سنا دیا۔
امیر المومنین ابھی دونوں شعروں کو پڑھ کر محظوظ ہی ہو رہے تھے کہ
اچانک تھیلی پر نظر جا پڑی۔ سختی کے ساتھ مجھ سے اس کا نام وغیرہ پوچھنے
لگے۔ میں نے عرض بھی کیا کہ کہیں آپ اُسے چوری وغیرہ میں نہ پھانس لیں؟
اس لئے نام بتانے سے مجبور ہوں۔ یہ الفاظ میری زبان سے یوں نکل گئے
کہ اس غریب نے تو میرے ساتھ احسان کیا اور میں اس کے ساتھ یہ سلوک کروں
بہر حال اس وقت میں شرم و ندامت سے پسینے پسینے ہوا جا رہا تھا اور وہ اس کا
نام و پتہ پوچھے بغیر کسی طرح خاموش ہی نہیں ہوئے۔
آخر کار مجھے اس کا نام بتانا پڑا۔ اور جس کا مجھے اندیشہ تھا وہی بات
انہوں نے کر بھی ڈالی۔ یعنی اسی وقت اسے گرفتار کرا کے بلا لیا۔
یہ آدمی جس وقت امیر المومنین کے سامنے آ کے کھڑا ہوا ہے میں بھی وہاں
موجود تھا۔ مگر میرا حال یہ تھا جیسے میں خود کہیں سے چوری کر آیا ہوں؛
امیر المومنین اس آدمی کو دیکھتے ہی ڈانٹ ڈانٹ کر پوچھنے لگے۔
"کیوں جی؟ ابھی کل رات ہی کو تو تم نے اپنی فاقہ مستیوں اور پریشانیوں کا
رونا رویا تھا۔ اور میں نے یہ رقم دلوائی تھی۔ مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد تم نے اصمعی
کے ایک شعر پر وہ ساری رقم نچھاور کر دی"

وہ فوراً بولا "ہاں امیر المومنین! یہ وہی رقم ہے اور اسی طرح میں نے آپ سے پائی تھی۔ لیکن امیر المومنین! قسم کا یقین کیجیے کہ میں نے آپ سے اپنی حالت زار بیان کرنے میں کسی قسم کی مبالغہ آمیزی یا جھوٹ سے کام نہیں لیا تھا میرا حال اب بھی وہی ہے لیکن جب اصمعی رح پہونچ ہی گئے تو یہ بات میری غیرت کو گوارا نہیں ہوئی کہ انھیں خالی ہاتھ لوٹا دوں۔ لہذا جو حاضر تھا اپنی ضروریات کو پس پشت ڈال کر ان کے نذر کر دیا۔"

یہ سن کر امیر المومنین بہت متاثر ہوئے اور اسی وقت اس کے اعزازات میں اضافے کا حکم جاری کرتے ہوئے کافی مال و دولت سے اُسے نواز دیا۔

۶۰۔ برجستہ جواب

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضؓ اپنی خلافت کے زمانے میں مدینہ منورہ آئے تو مشہور انصاری صحابی ابو قتادہ رضؓ بھی ملنے پہونچ گئے۔ حضرت معاویہ رضؓ ان سے بڑے تپاک کے ساتھ ملے۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرکے آپ کے منھ سے یہ بات بھی نکل گئی کہ "تمام اہلِ مدینہ بار بار مجھ سے آآ کے مل رہے ہیں لیکن تمہاری پارٹی (انصار) کا کوئی آدمی آج تک نہیں آیا۔"

ابو قتادہ رضؓ نے سرسری طور سے جواب دیدیا "ہاں امیر المومنین!

آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ ہم لوگوں کے پاس سواریوں کا فقدان ہو گیا ہے اس لئے ایسا ہو گیا ہو گا۔"

امیرالمومنین نے تعجب سے پوچھا "سواریاں کیا ہو گئیں؟" تو وہ برجستہ بولے "ہم لوگوں کی سواریاں بدر کے دن تمہاری اور تمہارے باپ ابوسفیان کی تلاش میں ضائع ہو گئیں۔"

اس کے بعد کہنے لگے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں سے کہا تھا کہ میرے بعد ترجیح کا سلسلہ دراز ہو گا۔"

حضرت معاویہ رضؓ بیچ ہی میں بولے "تو پھر ایسے حالات میں حضورؐ نے تم لوگوں کو کیا ہدایت دی تھی؟" تو انہوں نے جواب دیا کہ "آپ نے صبر کرنے کو فرمایا تھا۔"

یہ سن کر حضرت معاویہ رضؓ ہنس کر کہنے لگے "اچھا پھر اب صبر ہی کئے جاؤ۔"

---

۱۶۱ معیارِ حکومت

حضرت فاروق اعظم رضؓ ایک دن بازار سے گذر رہے تھے کہ کسی نے پکار کر کہہ دیا۔ اے عمر رضؓ! کیا سرکاری ملازموں کے لئے محض قاعدہ اور

قانون ہی مقرر کر کے تم خدا کے عذاب سے اپنا پیچھا چھڑا لوگے ؛ کہیں اس وہم میں بھی نہ رہنا! تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ مصر کا گورنر عیاض بن غنم رضؓ مہین اور بیش قیمت پوشاکیں پہنتا ہے۔ دربانوں کو دروازے پر مقرر کر رکھا ہے"۔

یہ صدا سنتے ہی آپ بغیر اس بات کے معلوم کیئے کہ کہنے والا کون ہے ؟ محمد بن مسلمہ رضؓ کو بلا کر حکم دیا کہ "مصر جاؤ اور عیاض بن غنم رضؓ کو جس حال میں بھی ملیں گرفتار کر لاؤ"۔

محمد بن مسلمہ رضؓ مصر پہونچے تو شکایت کو حرف بحرف صحیح پایا۔ عیاض بن غنم رضؓ باریک کپڑے پہنے بیٹھے تھے اسی حالت میں وہ انھیں پکڑ لائے"۔

فاروق اعظم رضؓ نے اسی وقت ان کے وہ کپڑے اتروا کر سخت اور کھُردرے پہنوا دیئے۔ اور بکریوں کا ایک گلّہ ان کے سپرد کر کے حکم دیا کہ "آپ انھیں جنگل میں لے جا کر چرایا کرو"۔

کس کا دل اور گردہ تھا کہ سرتابی کی جرأت کرتا۔ عیاض بن غنم رضؓ کہتے ہی رہے کہ "اس جینے سے تو مرجانا بہتر ہے" مگر کرنا ہی پڑا۔

ایک دن کسی نے عیاض بن غنم رضؓ کے یہ الفاظ حضرت عمر رضؓ سے بھی جا کر نقل کر دیئے۔ تو آپ نے انھیں بلا کے جواب دیا۔

"اب تمہیں بکریاں چرانے سے شرم آتی ہے اور اس کے کرنے سے موت کو ترجیح دیتے ہو۔ مگر یہ بھول گئے کہ تمہارے باپ کا نام غنم" اسی لئے رکھا گیا تھا۔

کہ وہ بکریاں چرانے کا پیشہ کیا کرتے تھے۔ خود تمھیں چرسہ بھر زمین کی سرداری کیا مل گئی کہ اب تمھیں اپنے اس آبائی پیشے ہی پر عار آنے لگا؟

اس کے بعد جب انھوں نے بہت زیادہ عذر و معذرت پیش کی تو آپ نے انھیں معاف کر دیا۔

۶۲، خدائی مار

مشہور تابعی[عہ] ابو ایوب خالدی رح کہتے ہیں کہ ایک دن میں کعبۃ اللہ کا طواف کر رہا تھا کہ ایک فالج زدہ اندھا بھی طواف کرنے آگیا۔ اندھا طواف کرتا جا رہا تھا اور یہ دعا مانگتا جاتا تھا۔

"خداوندا! مجھ کو بخش دے۔ اگرچہ مجھے یقین نہیں کہ تو ایسا کر بھی دے گا لیکن تو رحیم و کریم ہے اگر میری خطاؤں کو درگذر کر دے تو اس سے تیرا کچھ بگڑ نہ جائے گا"

اس کی اس دعا پر میری زبان سے نکل گیا کہ "آخر تو نے کیا ایسا گناہ کیا ہے جس پر یہ خوف دامن گیر ہو رہا ہے" تو نابینا کہنے لگا۔

عہ تابعی ان لوگوں کو کہتے ہیں جنھوں نے صحابہ کرام کو بحالت اسلام دیکھا ہے ۱۲۔

"میرا قصور بڑا عجیب ہے۔ میں اپنی شامتِ اعمال کا آپ سے کیا ذکر کروں؟ جس گروہ نے امیر المومنین حضرت عثمان رض کے گھر کا محاصرہ کیا تھا اس میں کا ایک میں بھی ہوں۔ اور میں نے اپنے ایک دوست سے اس بات کی قسم کھا رکھی تھی کہ اگر حضرت عثمان رض شہید کر دیئے جائیں گے تو میں انکے منھ پر طمانچہ ضرور ماروں گا۔" چنانچہ جیسے ہی آپ شہید ہوئے ہیں میں اپنے اسی دوست کے ہمراہ ان کے گھر کی دیوار پھاند کر پہونچا۔ آپ کی اہلیہ حضرت نائلہ رض آپ کے سر کو اپنی گود میں رکھے بیٹھی تھیں۔ میرے ساتھی نے کہا ذرا ان کا منھ کھول دو۔ انہوں نے پوچھا کیوں؟ تو اس نے اصل بات بھی بیان کر دی کہ آج صبح ہم لوگ ایسی ایسی قسم کھا کر گھر سے نکلے تھے لہذا ان کا منھ کھولدو تاکہ ہم لوگ اپنی اپنی قسمیں پوری کر لیں۔"

ہم لوگوں کی بات سن کر بی بی صاحبہ برس پڑیں۔ خدا کا واسطہ دیکر کہنے لگیں۔

"خدا سے ڈرو، ان کی بزرگی اور آنحضرت صلعم کی فضیلت صحبت پر نظر کرو اور سوچو کہ آپ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کی نکاح میں رہ چکی ہیں۔ غرض انہوں نے اسی قسم کی بہت سی باتیں بیان کر کے ہم لوگوں کو کافی لعنت ملامت کی۔ جس پر میرا دوست تو شرمندہ ہو کر باہر بھاگ گیا، لیکن مجھ پر شامتِ اعمال سوار تھی۔ میں نے ان کے کہنے سننے کی بالکل پرواہ

نہیں کی۔ اور منھ کھول کر زبردستی ایک طمانچہ مار ہی دیا۔

اور تو وہاں کوئی دیکھنے اور روکنے والا تھا نہیں۔ صرف بی بی صاحبہ تھیں وہی صلواتیں سناتی رہیں۔ انہوں نے بددعاؤں میں یہ الفاظ بھی کہے تھے کہ "خدا تیرے ہاتھوں کو بیکار اور آنکھوں کو بے نور کردے"۔

یہ الفاظ بھی انہوں نے کہے تھے کہ "خدا تیرا گناہ کبھی نہیں بخشے گا۔ اور دنیا ہی میں تیری اس گستاخی کی تجھے سزا مل جاوے گی"۔

خدا کی قسم میں ان کی گھر سے پوری طرح باہر نکلنے بھی نہیں پایا تھا کہ انکی دعائیں پوری ہونے لگیں۔ یعنی میرے ہاتھ پاؤں بھی بیکار ہو گئے اور میری آنکھیں بھی بے نور ہو گئیں۔ اب صرف بخشش کا معاملہ باقی رہ گیا ہے۔ سو دیکھنا ہے کہ اس کا انجام کیا نکلتا ہے۔

۶۳، اسّی ہزار روپیہ کی خیرات

ایک زمانے میں مدینہ منورہ کے باشندے جناب اسلمیؒ پر قرضہ بہت لد گیا تھا۔ اور کسی طرح اس کی ادائیگی کی کوئی سبیل نہیں نظر آتی تھی جب وہ بہت پریشان رہنے لگے تو لوگوں نے انھیں مہلب بن ابی صفرہ کے پاس عراق جانے کی رائے دی اور بتایا کہ وہ بہت بڑے خیر و خیرات کرنے

والے رئیس ہیں۔ تم اگر ان سے جاکر اپنا حال زار سناؤ گے تو وہ ضرور مدد کریں گے۔

اسلمی رح کہتے بھی رہے کہ عراق بہت دور ہے کوئی پہلے کی جان پہچان بھی نہیں ہے معلوم نہیں انھیں یقین بھی آئے یا نہیں مگر سب ہی احباب پیچھے پڑ گئے اور یہ وہاں جانے کیلئے تیار ہو گئے۔

اسلمی رح کہتے ہیں کہ جب میں کئی مہینے کی راہ طے کرکے عراق پہونچا اور مہلب بن ابی صفرہ سے مل کر عرض کیا کہ میں مدینہ منورہ جیسے دور دراز شہر سے آپ کی فیاضیوں کا شہرہ سنکر آیا ہوں۔ مجھ پر مالی حیثیت سے اتنی زبردست افتادیں آگئی ہیں۔ کچھ آپ میری مدد فرمادیں۔"

مہلب بن ابی صفرہ پہلے تو ٹالتے رہے اور کہتے رہے کہ یہاں اور بھی بہت سے صاحبان ثروت لوگ ہیں ان سے جاکر ملو۔ اس کے بعد آخر میں یہ بھی کہا کہ تم وہاں کے کسی آدمی کی سفارش بھی تو نہیں لائے ہو۔ کوئی دے بھی تو کس بنیاد پر دے۔ مگر اسلمی نے ایک نہ سنی اپنی ہی کہتے رہے کہ "اللہ نے آپ کو بہت دیا ہے اگر آپ کرنا چاہیں تو سب کچھ کر سکتے ہیں۔ دور دور تک آپ کی سخاوتوں کا چرچا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ میں کوئی یقین و اعتماد کی چیز اپنے ساتھ نہیں لایا ہوں مگر اس کے باوجود مجھے امید ہے کہ آپ میری ضروریات کی تکمیل کی طرف سے بے توجہی نہ برتیں گے۔ اور یہ بھی مطمئن رہیں کہ اگر آپ کے

یہاں سے مجھے ناکام و مایوس ہی جانا پڑا تو میں بھی آپ کے اوپر کسی قسم کی ملامت نہیں کروں گا۔"

یہ سب باتیں سنکر مہلب بن ابی صفرہ نے اپنا سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد اپنے غلام سے بولے۔

"جاؤ! ان کو ہمارے خزانے پر لے جاؤ اور وہاں اس وقت جس قدر بھی مالیت موجود ہو، دیدو۔"

اسلمی کہتے ہیں کہ جب میں غلام کے ساتھ خزانے پہونچا اور رقم کا تخمینہ کیا تو اسّی ہزار روپیہ نکلا۔ غلام نے اپنے مالک کے حکم کے مطابق یہ ساری رقم میرے حوالے تو کر دی مگر فوراً ہی دوڑا ہوا گیا۔ مہلب کو بتایا کہ اتنی رقم وہاں موجود تھی۔ جو اسلمی لئے جا رہا ہے۔

اتنے میں خود اسلمی بھی شکریہ ادا کرنے کی غرض سے حاضر ہو گئے۔ مہلب انھیں دیکھتے ہی پوچھنے لگے "کہو جتنی رقم تمہیں وہاں ملی ہے اس سے سب قرضہ تو اب ادا ہو جائے گا؟" انہوں نے عرض کیا "حضور! قرضہ ادا کر دینے کے بعد بھی کافی بچ جائے گا۔"

ان کلمات کو سنتے ہی مہلب خدا کی بارگاہ میں فوراً سربسجود ہو گئے اور کہنے لگے "مالک کی کارسازی تو دیکھو! یہ کہاں کا رہنے والا، اور میں کہاں کا رہنے والا اور کس کا قرضہ اور کس سے ادا کرایا۔

۶۴، مرنے والے کا ضامن

عرب کے بادشاہ نعمان بن منذر کی عادت تھی کہ ایک دن سختی و عذاب۔ اور ایک دن رحم و کرم کیا کرتا تھا۔ سختی اور عذاب والے دن جو شخص بھی اس کے پاس جاتا قتل ہو جاتا۔ اور رحم و کرم کے دن جتنے لوگ اس سے ملنے جاتے مالا مال ہو کر لوٹتے۔

اتفاق سے اسی سختی کے دن میں قبیلۂ طے کا ایک شریف آدمی جسے فاقوں نے توڑ کر بالکل ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا دیا تھا دست سوال دراز کرتا ہوا آپہونچا۔

اپنے اور بچوں کے مصائب میں اندھا ہو کر جوں ہی اس نے نعمان کے سامنے اپنا سوال پیش کیا ہے نعمان نے جلاد کو اس کی گردن مار دینے کا حکم دیدیا۔ اب تو وہ گھبرایا اور جوان بی بی و معصوم بچوں کے فقر و فاقہ کا واسطہ دے کر رہا ہو جانے کی کوشش کی۔ مگر اس نے ایک نہ سنی اپنا فیصلہ بحال ہی رکھا۔

مجبور ہو کر اس نے نعمان کے ایک مصاحب کو جس کا نام شریک تھا یہ کہہ کر راضی کر لیا کہ آج دن بھر کسی طرح آپ اس فیصلے کو ملتوی کرا دیجئے تاکہ گھر والوں کو تو اطلاع دے آؤں ورنہ وہ سب بے چارے بے موت

مرجائیں گے۔ میں لاکھ کچھ ہو شام تک یہاں ضرور واپس آجاؤں گا۔

اس کے الفاظ میں شریک کو صداقت نظر آئی۔ اور وہ بھی ضمانت کے لئے آمادہ ہوگیا۔

بادشاہ نے اس کی ضمانت منظور کرتے ہوئے اپنے فیصلے کو شام تک کے لئے ملتوی کردیا۔ اور کہہ دیا کہ اگر ملزم نہ آیا تو شریک کے خون سے میرے قانون کا پیٹ بھرا جائے گا۔

بہرحال وہ شریف طائی گھوڑے پر سرپٹ بھاگا ہوا اپنے گھر آیا۔ اور جو کچھ اِدھر اُدھر سے بھیک میں مل سکا تھا۔ انھیں دے کر اپنی اس تازہ مصیبت کو ظاہر کیا۔ پورے خاندان میں ایک دم کہرام سا برپا ہوگیا، بعض لوگوں نے یہ صلاح بھی دی کہ "اب تو چھوٹ ہی آئے ہو، کیوں موت کے منھ میں خود اپنے پیروں سے پہونچے جاتے ہو"۔ کسی نے یہ بھی بتایا کہ "شریک بے اولادہ ہے، اور تمہارے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں وہ اگر تمہاری جگہ پر مار بھی دیا جائے گا تو زیادہ نقصان نہیں ہوگا۔ تمہاری موت سے تو پورا گھرانہ تباہ و برباد ہوجائیگا"۔

مگر اس نے کسی کی ایک نہ مانی اور صاف کہہ دیا کہ یہ سب حیلے حوالے انسانیت اور شرافت کے بالکل خلاف ہیں اور یہ کہتے ہی کہتے فی امان اللہ کہہ کر اسی وقت گھوڑے پر بیٹھ گیا۔

نعمان تیسرے پہر تک کئی بار شریک کو اس کی حماقت کی طرف توجہ

دالا چکا تھا اور کہہ رہا تھا کہ کہیں موت کے چنگل سے چھوٹا ہوا بھی کوئی جان بوجھ کر اپنے کو پھنسانے آیا ہے؟ وہ اب نہیں آئے گا۔ اور مجھے تمہارے ہی خون سے آج اپنے ہاتھ رنگنا پڑیں گے۔"

مگر شریک کو بالکل یقین تھا کہ وہ آئے گا اور ضرور آئے گا۔ ہر مرتبہ یہی جواب دیدیتا تھا کہ "شریف طائی کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا"۔ یہاں تک کہ سورج بھی غروب ہو گیا۔

نعمان نے کہا کہ اب وعدے کا وقت پورا ہو چکا۔ لہذا شریک کی جو اصل ملزم کا ضامن تھا ملزم کے عدم حاضری کی بنا پر گردن ماردی جائے"۔

مگر شریک نے پھر یہی جواب دیا کہ "وہ آئے گا اور ضرور آئے گا"۔ مگر نعمان نے زبردستی اسے قربان گاہ پر پہونچوا دیا۔

اتنے میں دور سے ایک گرد اڑتی نظر آئی۔ لوگ پکار اٹھے "لو! وہ دیکھو! شریف طائی آگیا"۔

قریب آیا تو دیکھا کہ واقعی وہی تھا۔ آتے ہی شریک کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بولا "میرے گھوڑے کا پاؤں پھسل گیا تھا جس سے وہ بھی کافی زخمی ہوا اور میں بھی بے طرح لہولہان ہوں۔ مجھے ڈر پیدا ہو گیا تھا کہ میرے دیر سے پہونچنے پر کہیں آپ جیسے محسن کو اپنی قربانی نہ دینا پڑ جائے۔ میں بے طرح تیزی کے ساتھ چلا آرہا ہوں"۔

یہ کہہ کر اس نے نعمان سے خواہش کی کہ "اب میرے ضامن کو قربانگاہ سے ہٹا لیا جائے۔ اور مجھ سے اپنے ظالمانہ قانون کا پیٹ بھر لیجئے"

بادشاہ ان دونوں کے عمل سے عجیب حیرت میں پڑا ہوا تھا اس کا واپس آجانا بھی بہت اہم تھا۔ اور اس کا بغیر کسی سابقہ ملاقات کے ضمانت لے لینا بھی بڑے اچنبھے کا باعث تھا۔

انتہائی افسوس کے ساتھ پکار اٹھا "یہ دونوں تو تاریخ میں ایسے باوقعت اور گراں قدر القاب سے یاد کئے جائیں گے اور میرا نام ایک قاتل اور ظالم کی حیثیت سے مشہور ہوگا۔ لہذا آج سے میں اس دن کی کارروائی ہی اپنے دستور سے خارج کرتا ہوں، اس کے بعد اس نے دونوں کو کافی مال و دولت سے سرفراز کر کے رخصت کر دیا۔

٦٥، جلاد کی سفارش

ایک مرتبہ اموی خلیفہ امیر المومنین عبدالملک نے حجاج کو حکم بھیجا۔ کہ خاندان بکر بن وائل کے مشہور باغی سردار عامر بن اسلم کا سر اتروا کر ہمارے پاس بھجوا دو۔

حجاج نے حکم پاتے ہی اسے گرفتار کر لیا۔ جب وہ حجاج کے سامنے

آیا ہے تو خدا کا واسطہ دے کر خوشامد کرنے لگا کہ "مجھے جان سے نہ ماریئے۔ میں اپنے خاندان کی چوبیس عورتوں کا تنہا بار اٹھائے ہوئے ہوں"۔

یہ سن کر حجاج کا دل پسیج گیا۔ اور واقعی صورت حال دریافت کرنے کے لئے اس کے خاندان والوں کو بلا بھیجا۔

ان عورتوں میں ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی بھی تھی۔ حجاج اسی سے پوچھ بیٹھا کہ یہ شخص رشتہ میں تمہارا کیا لگتا ہے؟ لڑکی نے بتایا کہ یہ میرا باپ ہے۔ اور پھر اس نے برجستہ عربی میں تین شعر پڑھ دیئے۔ جن کا حاصل یہ تھا۔

"اے حجاج! تیرے اختیار میں سب کچھ ہے تو یہ بھی کر سکتا ہے کہ عبادہ کو رہا کر دے اور یہ بھی کر سکتا ہے کہ اسی کے ساتھ ہم سبھوں کو بھی فنا کے گھاٹ اتار دے۔ اب تنہا اسے مروا دینا اور ہم چوبیس عورتوں کو زندہ چھوڑ دینا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ اگر تو ایسا کر گذرے گا تو اس کی لڑکیاں اور خالائیں وغیرہ سب اس کے غم میں آنسو بہا بہا کر زمانے بھر کو اپنے سر پر اٹھا لیں گی"۔

لڑکی کی زبان سے یہ اشعار سنتے ہی حجاج پر ایک سکتہ سا طاری ہو گیا اور اس نے اسی وقت امیر المومنین کو سفارش کا خط لکھ کر نہ صرف اس کی جان بخشی کرادی بلکہ کافی امداد بھی کرادی۔

۶۶، چالاک غلام

ایک سرکاری تقریب کے موقعہ پر جبکہ بادشاہ اپنے شہر کے شرفاء وعمائد کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھا کھانا کھانے میں مشغول تھا۔ ایک غلام کے ہاتھوں سے سالن کا پیالہ ٹیڑھا ہوگیا اور دستر خوان پر شور با گر پڑا۔

کہا جاتا ہے کہ غلام کی اس لغزش پر بادشاہ کے ماتھے پر شکن پڑ گئی۔ اور اس نے گردن مار دینے کا حکم دیدیا۔

غلام بھی تھا بڑا چالاک اور ہوشیار اس نے فوراً پیالے کا سارا سالن ایک دم دستر خوان پر انڈیل دیا۔ اب تو بادشاہ کے غصّہ کی کوئی انتہا ہی نہیں باقی رہی۔ اور جب باز پرس کی گئی تو بھری محفل میں کہنے لگا۔

آپ تو میرے قتل کا حکم جاری کر ہی چکے ہیں۔ مگر مجھے یہ کسی طرح پسند نہیں ہے کہ میرے مر جانے کے بعد بھی کوئی آپکے اوپر انگلی اٹھائے اگر میں مزید یہ جرم نہ کر لیتا تو لوگ اس واقعہ کو یوں شہرت دیتے کہ فلاں بادشاہ نے اپنے غلام کو ایک معمولی جرم کی بنا پر ہلاک کر دیا، اب کم سے کم آپ کے اوپر کوئی معمولی بات کا تو الزام نہ لگا سکے گا؟

غلام کے یہ الفاظ سنتے ہی بادشاہ کا غصّہ ایک دم کافور ہو گیا اور کہنے لگا۔

"تو نے کیا تھا تو گردن ہی مار دینے کا کام۔ مگر تیری اس خوبصورت معذرت پر میں اپنے سابقہ حکم کو واپس لیتا ہوں۔ اور معافی دیتا ہوں"!

۶۷، تین دوست

علامہ واقدیؒ کا بیان ہے کہ میرے دو دوست تھے ایک ہاشمی خاندان سے تھا اور دوسرا نبطی خاندان سے!

ہم تینوں میں اس قدر گہری دوستی تھی کہ بس نام کے تین وجود تو الگ الگ ضرور کہے جا سکتے تھے۔ ویسے حقیقت میں تینوں ایک جان اور ایک دل نظر آتے تھے۔ ایک مرتبہ کا اتفاق کہ عید کا موسم قریب آگیا اور تنگدستی کی بنا پر میں نہ تو بچوں وغیرہ کے کپڑے بنوا سکا تھا اور نہ گھر کے کسی اور خرچ وغیرہ کا بندوبست کر سکا تھا۔

ہرچند کوشش کی کہ کہیں سے کچھ قرض وادھار مل جائے مگر اس میں بھی کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ بی بی کے اصرار سے مجبور ہو کر اپنے ہاشمی دوست کو اطلاع دی اور اس سے کچھ قرض منگوا بھیجا۔ اس نے میرا پرچہ پڑھتے ہی ایک ہزار روپیہ ایک کپڑے میں لپیٹ کر میرے یہاں بھیج دیا۔ یہ روپیہ ابھی لاکر رکھا ہی گیا تھا کہ میرے نبطی دوست نے مجھ سے اپنی ضروریات لکھ کر کچھ روپیہ مانگ لیا۔

میں نے اس کا رقعہ پڑھتے ہی اپنے گھر کی ضروریات کو پس پشت ڈال دیا۔
اور وہی روپیہ جو ابھی ہاشمی دوست کے یہاں سے آیا تھا اسی طرح کپڑے
میں بندھا ہوا اس کے یہاں اٹھا کے بھیجدیا۔

اسی دوران میں عید کا دن بھی آگیا۔ اور میں یہ خیال کر کے کہ بی بی کا
ملال کوئی ناخوشگوار صورت نہ اختیار کر لے۔ سب سے چھپ کر عید گاہ چلا
گیا۔ لیکن وہ بھی تھی بہت شریف اور سمجھ دار، صورت حال کا اندازہ کرتے
ہی چپ ہو گئی اور کوئی برا خیال دل میں نہیں لائی۔

اتنے میں میرا ہاشمی دوست وہی پوٹلی روپیہ کی لئے ہوئے میرے
یہاں آپہونچا اور جلدی جلدی مجھ سے اس کے نبطی دوست کے یہاں
پہونچنے کا ماجرا پوچھنے لگا۔ میں نے جو واقعہ پیش آیا تھا اُسے بتا دیا آخر میں
جب میں نے اس سے وجہ دریافت کی تو کہنے لگا۔

جس وقت تمہارا پرچہ مجھے ملا تھا تو میں نے یہ سوچکر کہ میں اپنی ضروریات
نبطی کے یہاں سے منگا کر پوری کر لوں گا۔ اپنی رقم تمہارے یہاں بھیجدی
تھی۔ مگر جب اس سے منگوایا تو اس نے میری یہی رقم میرے پاس روانہ کر دی

اس واقعہ کے بعد متفقہ رائے سے تینوں دوستوں میں تین تین سو
روپیہ تقسیم ہو گیا۔ اور بچے ہوئے سو روپیہ کے متعلق سب کا فیصلہ یہ ہوا کہ
یہ میری بی بی کو اس کی قناعت اور پختگی شرافت کا ثبوت دینے کے صلے میں

دے دی جائے۔

ہوتے کرتے کسی نے یہ خبر خلیفۂ وقت مامون رشید کو جا کے پہونچا دی۔ انھیں اس نرالی دوستی اور اخلاص سے بھری ہوئی محبت کا حال سن کر بڑا اچنبھا ہوا۔ اسی وقت مجھے بلوا کر تفصیل سے ساری بات سنی اور کہنے لگے۔

واقعی تم تینوں بڑے قابل قدر آدمی ہو اور اس کے بعد سات ہزار اشرفیاں مجھے عنایت کیں۔

راوی کا بیان ہے کہ اس رقم کے بھی اسی وقت چار حصے کر دیئے گئے۔ دو دو ہزار ہم تینوں دوستوں کو اور ایک ہزار حضرت واقدی رح کی اہلیہ کو ملا۔

---

۶۸ حقّانیت کا زور

خلفائے عباسیہ میں ابوجعفر منصور بڑا جابر اور ضدی مزاج خلیفہ گذرا ہے ایک بار اس نے اپنے دربار میں امام مالک رح اور ابن طاؤس رح کو بلوا بھیجا۔ اثنائے گفتگو میں خلیفہ ابن طاؤس رح سے فرمائش کر بیٹھے کہ اپنے والد کی کوئی حدیث اگر یاد ہو تو سناؤ۔

انہوں نے اپنے والد کے حوالے سے بیان کیا کہ قیامت کے دن اس شخص کو بڑا سخت عذاب دیا جائے گا جس کو خدا نے اپنی سلطنت میں شریک کیا۔ یعنی بادشاہ بنایا۔ اور اس نے ظلم وستم کو روا رکھا!"

منصور کے سامنے یہ جرأت مندانہ اقدام دیکھ کر امام مالکؒ کو یقین ہو گیا کہ اب ابن طاؤسؒ کی خیر نہیں۔ چنانچہ انہوں نے خون کے خوف سے اپنے کپڑے بھی سمیٹ لئے تھے۔ مگر خلیفہ دیر تک سر جھکائے بیٹھا رہا اور کچھ نہیں بولا۔

پھر اس نے ان ہی سے کچھ لکھنے کے لئے قلم دوات مانگی تو وہ اسے بھی ٹال گئے۔ دوبارہ مانگی تب بھی کچھ پرواہ نہیں کی۔ اب تو جھلا کر اس نے ان سے بے باکی اور عدول حکمی پر جواب طلب کر لیا تو وہ بڑی ڈھٹائی کے ساتھ بولے۔

"مجھے ڈر تھا کہ تو اس سے بھی کوئی گناہ ہی کی بات لکھنے کی کوشش کرتا اور میں بھی اس میں تیرا شریک کار بن جاتا!"

یہ سنتے ہی اس نے دونوں بزرگوں کو اپنے دربار سے باہر نکل جانے کا حکم دے دیا۔

ابن طاؤسؒ اب بھی اپنی عادت سے باز نہیں آئے۔ بےساختہ یہ کہہ کر اٹھ بیٹھے کہ "یہی تو ہم بھی چاہتے تھے!!"

۶۹، ترکی بہ ترکی جواب

جس وقت بنوامیہ کی سلطنت کا چراغ گل ہوا، اور عباسی خاندان برسر اقتدار آیا ہے تو ملک شام کی گورنری عبداللہ بن علی جیسے سخت گیر اور جفا کار انسان کے سپرد ہوئی۔

اس نے شام میں پہونچتے ہی سب سے پہلے خلافت کے دعویداروں کو چن چن کر ختم کیا۔ اس کے بعد ایک نہایت شاندار دربار منعقد کیا۔ جس میں چار جنگی پلٹنیں بھیانک اسلحہ لگائے دو رویہ کھڑی کیں اور شہر میں بھی جا بجا مسلح سواروں کو پہرے پر لگاتے ہوئے وسط شہر میں ایک خوبصورت فرش پر اپنے بیٹھنے کا انتظام کیا۔

اس تاریخی دربار میں شام کے مشہور عالم امام اوزاعی رح کو بھی بلا کر شریک کیا گیا تھا۔ پہلے تو ان کی بڑی عزت و توقیر ہوئی اس کے بعد دریافت ہوا کہ "بنوامیہ کے خون کے متعلق آپ کا کیا فتویٰ ہے؟"

آپ نے جواب دیا کہ تمہارے اور بنوامیہ کے درمیان چونکہ معاہدہ ہو چکا ہے اس لئے تم کو ان سے عہد شکنی نہیں کرنا چاہیئے"!

عبداللہ برہم ہو کر بولا" اس سے تم کو کیا واسطہ"؟ تو آپ نے جواب دیا" ان کا خون تم پر بالکل حرام ہے"!

اس زوردار فقرے پر عبداللہ کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ اور غصہ سے تھر تھر کانپنے لگا۔ پوچھنے لگا "یہ بات تم نے کہہ کیسے دی"؟ آپ نے جواب دیا" اس لئے کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ کسی مسلمان کا خون تین حالتوں کے سوا جائز ہی نہیں ہے اور یہاں ان میں سے کوئی بات بھی دکھائی نہیں دیتی"؛

عبداللہ نے تیور بدل کر پوچھا" کیا ہماری حکومت مذہبی نہیں ہے"؟ آپ نے جواب دیا" دینی ومذہبی کیسے ہوسکتی ہے"؟

عبداللہ نے کہا" کیا آنحضرتؐ نے حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کے لئے وصیت نہیں فرمائی تھی"؟ آپ نے جواب دیا" اگر فرمائی ہوتی تو دونوں حکموںعہ (صفین کے موقعہ پر) میں سے کوئی تو اسے پیش کرتا"؛

اس بات کا عبداللہ کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اس لئے وہ تصویر حیرت بن کر بالکل چپ ہوگیا۔

امام اوزاعی رح خود کہتے ہیں کہ عبداللہ کی اس خاموشی پر مجھے یقین ہوگیا تھا کہ اب کچھ ہی دیر میں میرے سر کے کاٹ دینے کا حکم ہو جاوے گا۔ مگر خلاف

عہ جب حضرت علی رضؓ اور حضرت معاویہ رضؓ کے درمیان لڑائیوں کا سلسلہ جاری تھا۔ تو بعض لوگوں نے بیچ میں پڑ کر صلح کی کوشش کی۔ اس مرحلے میں طرفین سے دو فیصل تجویز کر دیئے گئے تھے یہاں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲

توقع اس نے صرف دربار ہی سے باہر نکل جانے کی ہدایت دیکر خاموشی اختیار کر لی۔

انھیں دربار سے رخصت ہوئے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ پیچھے سے ایک سوار دوڑا ہوا آتا دکھائی دیا۔ امام اسے دیکھتے ہی خطرہ محسوس کرنے لگے۔ کہ اب یہ میرے قتل کا حکم لا رہا ہو گا۔ چنانچہ میں نے فوراً نماز کی نیت باندھ لی تاکہ جو کچھ ہونا ہے وہ نماز ہی کی حالت میں ہو۔ مگر جوں ہی سلام پھیرا ہے تو سوار نے آداب بجا لا کر ایک تھیلی اشرفیوں سے بھری ہوئی میرے ہاتھ پر رکھدی، جو امام نے اسی وقت اسے مستحقین پر تقسیم بھی کرا دی۔

۷۰، بہترین سُراغ رسی

ایاس بن معاویہ کی گورنری کے زمانے میں کوئی آدمی کسی مہاجن کے یہاں اپنی نقدی اور قیمتی اثاثہ امانت کے طور پر رکھوا کر حج کرنے چلا گیا تھا سال دو سال کے بعد جب اس کی واپسی ہوئی اور ساہوکار سے اپنی چیزیں لینے گیا تو وہ صاف مکر گیا۔ اس نے مجبور ہو کر سارا قصہ ایاس بن معاویہ سے جا کر کہہ دیا۔ ایاس اس وقت تو چپ ہو گئے مگر اس کے جاتے ہی انہوں نے اس مہاجن کو بلوا کر بتایا کہ عنقریب میں ایک لمبے سفر پر جانے والا ہوں اور سوچ

رہا ہوں کہ سارا سرکاری خزانہ اور پبلک کی رقمیں وغیرہ معقول معاوضہ دے کر تمہارے یہاں رکھوا دوں لہٰذا فوراً کسی محفوظ مکان کا بندو بست کر لو۔"

ساہوکار آمدنی کی یہ بڑھتی ہوئی صورت سن کر بہت خوش ہوا۔ اور گھر آتے ہی محافظ خانے کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔

اسی اثنا میں ایک دن حاجی صاحب نے پھر ان سے آکر معاملہ بیان کیا۔ آپ نے انھیں مشورہ دیا کہ "اچھا! اب پھر اس سے اپنی چیزوں کا جا کر مطالبہ کرو۔ اور اگر اب بھی وہ انکار کرے تو یہ کہہ کر چلے آنا کہ میں تمہارے خلاف اب ایاس کے یہاں مقدمہ دائر کر دوں گا۔ بہت ممکن ہے کہ میرے نام کے ڈر سے وہ تمہاری چیزیں دے نکلے۔"

چنانچہ حاجی صاحب نے اس کے یہاں جا کر اپنی چیزیں مانگیں۔ پہلے تو اس نے حسب سابق انکار کیا۔ اس کے بعد اسے جب یہ معلوم ہوا کہ اب قاضی ایاس کے یہاں یہ مقدمہ دائر کر دے گا تو فوراً بات پلٹ کر کہنے لگا۔

"ذرا ٹھہر جاؤ، ایک بار اور تلاش کر لوں؟" یہ کہہ کر وہ اندر گیا اور سب چیزیں اسے لا کے دیتے ہوئے معذرت و شرمساری کے انداز میں بولا۔ "آپ ہی کا کہنا ٹھیک نکلا غلطی سے یہ چیزیں ایک پرانے ذخیرے کے

نیچے دب کر نظروں سے اوجھل ہو گئی تھیں۔

تھوڑے دنوں کے بعد مہاجن نے ایاس کو آکر اطلاع دی کہ "محافظ خانہ تیار ہو گیا ہے۔ اب آپ جن جن چیزوں کو رکھوانا چاہتے ہوں بھجوا دیجئے!"

یہ الفاظ سنتے ہی ایاس ہنس پڑے اور کہنے لگے "کہیں تجھ جیسے بے ایمان اور نادہند کے یہاں بھی کوئی سمجھ دار آدمی اپنی چیزیں رکھوا سکتا ہے جا یہاں سے دور ہو جا!! میں نے تو یہ ترکیب فقط اس غریب حاجی کا مال واپس دلانے کے لئے اختیار کی تھی۔ ورنہ کیسا سفر اور کیسا چیزوں کا رکھوانا۔"

---

۱۷۱ بدوی ملکہ

خلیفہ مامون رشید ایک دن دریائے فرات کے کنارے سیر و شکار میں مشغول تھے۔ کہ ایک پندرہ سولہ برس کی خوبصورت عرب لڑکی پانی کی بھری ہوئی مشک کندھے پر لٹکائے اٹکھیلیاں کرتی ہوئی نظر آ گئی۔ اور عین اس وقت جبکہ وہ چڑھائی کا راستہ طے کر رہی تھی مشک کا منہ ڈھیلا ہو کے پانی گرنے لگا۔

لڑکی نے پہلے تو اسے سنبھالنے کی کوشش کی مگر وہ برابر ڈھیلی ہی ہوتی چلی گئی۔ بے ساختہ اپنے باپ کو جو وہیں کہیں قریب میں موجود تھا

پکار کر کہنے لگی۔

"اے باپ دوڑو! دیکھ مشک کا منھ کھلا جاتا ہے۔ اور اب میرے سنبھالے نہیں سنبھل رہی ہے"۔ اور یہ کہتے ہی کہتے اس نے مشک کمر سے اتار کے زمین پر پھینک دی۔ سارا پانی بہہ گیا۔

اس کی کم سنی، خوبصورتی اور اس پھرتی کے ساتھ بھاری مشک کا دریا سے بھر کر چڑھائی پر اٹھائے جانا اور پھر مشک کا منھ کھل جانے کی صورت میں باپ کو ایسی صاف وستھری زبان میں پکار کر اطلاع دینا امیر المومنین کو کچھ ایسا بھلا لگا کہ وہ خود اس کے پاس جا کے پوچھنے لگے۔ "اے لڑکی تو کس گھرانے سے تعلق رکھتی ہے؟" لڑکی نے بے جھجھک جواب دیا "بنو کلاب سے!" (کلاب عربی میں کتے کو کہتے ہیں)

امیر المومنین نے برجستہ فقرہ کسا، "ارے یہ تجھے کتا بن جانے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟" وہ فوراً بولی "نہیں نہیں! میں کتا نہیں ہوں۔ میرا خاندان تو عرب کا ایسا شریف خاندان ہے جس پر آج تک کسی نے انگلی تک نہیں اٹھائی ہے۔ مہمانوں کی خاطر تواضع کرنا، بہادروں کی چمکتی چمچماتی تلواروں سے کھیلنا میرے گھرانے کی مشہور صفت ہے"۔

یہ کہتے ہی اس نے خود امیر المومنین سے سوال کیا "اور اے نوجوان! آپ کس خاندان سے ہیں؟"

امیرالمومنین نے پوچھا "کیا تو علم الانساب سے بھی کچھ واقفیت رکھتی ہے؟"

اس نے جواب دیا "ہاں" تو انہوں نے بتایا۔

"میں ننھیالی اور ددھیالی دونوں طرف سے مُضری ہوں"۔ لڑکی نے پوچھا "اور مضر کی کس شاخ سے؟" تو آپ نے کہا "ایک ایسی باعزت شاخ سے جس کا خود اہل مضر پر بھی سکہ قائم ہے"۔ لڑکی بے ساختہ کہنے لگی "اچھا خاندان کنانہ سے ہو!" پھر پوچھنے لگی۔ "اور کنانہ کی کس شاخ سے تعلق ہے؟"

امیرالمومنین نے جواب دیا "ایک ایسی شاخ سے جو شرافت، سخاوت اور بزرگی میں اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ اور خود اس کی شاخ والے بھی اس کا لوہا مانتے ہیں"۔

لڑکی سمجھ گئی اور کہہ اٹھی "اچھا قریشی ہو" پھر پوچھنے لگی "اور قریش کی کس شاخ سے ہو؟"

امیرالمومنین نے جواب دیا۔ ایک ایسی شاخ سے جو اپنی اور شاخوں کے مقابلے پر بہت ہی پاک اور قابل فخر شاخ ہے اور وبدبے کے اعتبار سے بھی اتنی بلند و بالا ہے کہ خود اس شاخ کے دوسرے افراد اس سے ہر وقت کانپا کرتے ہیں"۔

لڑکی نے بتا دیا "ہاشمی ہو گئے! وہ اب بھی چپ نہیں ہوئی۔ پوچھنے

لگی" اور ہاشمیوں میں سے کون سے ہاشمی ہو؟"

امیرالمومنین نے جواب دیا "میں ایسا ہاشمی ہوں جو دوسرے ہاشمیوں پر بھی بڑی بھاری فوقیت رکھتا ہے"

بات یہیں تک پہونچی تھی کہ لڑکی فوراً زمیں بوس ہو گئی۔ اور امیرالمومنین کہہ کر ادب کے ساتھ سر جھکا کر سلام کرتے ہوئے ایک کنارے کھڑی ہو گئی۔

امیرالمومنین لڑکی کی اس غیر معمولی ذہانت، ذکاوت، قابلیت اور جفاکشی وغیرہ سے بے حد متاثر ہوئے اور یہ کہتے ہوئے کہ ایسی لڑکی تو بی بی بنا کر شاہی محل میں رکھنے کے قابل ہے اپنے ساتھیوں سے آکر مل گئے۔ اور یہیں سے اس کے باپ کو نکاح کا پیغام دے کر بیاہ کر لائے۔

۷۔ حسین جواب

کوئی بادشاہ اپنے علاقے کا دورہ کرتا ہوا چلا جا رہا تھا کہ ایک دیہات میں جھونپڑی کے اندر کوئی مہپارہ نظر آگئی۔ آنکھیں چار ہوتے ہی دل بے قابو ہو گیا۔ راستہ تک چلنا دوبھر ہو گیا محل میں لوٹ آیا۔ اور نکاح کا پیغام روانہ کرتے ہوئے یہ پرچہ لکھا۔

”اگر اجازت دو تو خود تمہاری جھونپڑی میں آکر ایک بار ملاقات کی سعادت حاصل کروں؟

بادشاہ نے اس خط کے ساتھ بہت سے قیمتی تحفے اور ایک لونڈی بھی روانہ کی تھی۔ مگر چونکہ یہ لڑکی حاملہ تھی اس لئے سب چیزوں کو وصول تو کر لیا۔ مگر پھر فوراً ہی لونڈی کو ایک رومال دیکر جس کے کونے میں اس نے عنبر کی ایک ٹکیا میں سونے کے چھوٹے چھوٹے ذرے بھر دیئے تھے بادشاہ کے پاس بھیجدیا۔ اور زبانی کہلوادیا کہ ”بس آپ کے خط کا یہی جواب ہے“۔ لڑکی کی یہ حرکت خاک کسی کے سمجھ میں نہیں آئی۔ سب سوچ میں پڑ کے رہ گئے کہ آخر اس کا مطلب ہے تو کیا؟

اتفاق سے کسی طرح بادشاہ کی ایک کم سن لڑکی کو بھی یہ واقعہ معلوم ہو گیا اور یہ بھی اسے پتہ چل گیا کہ کوئی اس گتھی کو ابتک سلجھا نہیں سکا ہے وہ ڈرتی ہوئی آئی اور کہنے لگی

”آپ گھبرایئے نہیں میں ابھی آپ کو اسکا مطلب سمجھائے دیتی ہوں“۔ اس کے بعد اس نے عربی کا ایک شعر پڑھ دیا جس میں شاعر نے اپنی محبوبہ کے حاملہ ہونے کو اسی چیز سے تشبیہہ دے کر بیان کیا تھا۔

۷۳، توریت کی تعمیل

ایک مرتبہ خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دربار میں کسی یہودی نے آپ کے کسی مصاحب کے خلاف ظلم وستم کی شکایت آکر بیان کی ۔۔ امیرالمومنین ہر چند ٹالتے رہے مگر وہ کسی طرح خاموش ہی نہیں ہوا۔ اور بار بار اپنی بات کہے ہی چلا گیا۔ یہاں تک کہ آخر میں اس نے یہ کلمات بھی کہدیئے کہ "توریت میں لکھا ہے کہ جو بادشاہ یا سردار خود تو ظالم نہ ہو مگر وہ اپنے ماتحتوں کے مظالم سنکر خاموشی اختیار کر لیتا ہو تو وہ ایسا ہی ہے جیسے خود اسی نے اس ظلم کا ارتکاب کیا ہو"

عبدالملک توریت کے حوالے سے یہ الفاظ سنتے ہی تھر تھر کانپنے لگے اور اسی وقت اس مصاحب کو بلوا کر اصل واقعات معلوم کئے یہودی کا کہنا ٹھیک نکلا۔ اسی وقت اس کا حق بھی اسے دلوا دیا۔ اور اس مصاحب کو اپنی مصاحبت سے بھی نکال دیا۔

۷۴، مثالی مساوات

حضرت سلمہ بن سعید رؓ کا ایسی حالت میں انتقال ہوا تھا کہ ان پر لوگوں کے

قرضے بہت کافی مقدار میں لدے ہوئے تھے حتیٰ کہ سرکاری مالگذاری بھی بہت عرصے سے نہیں ادا ہوسکی تھی۔

خلیفہ منصور نے ان کے انتقال کی خبر سنتے ہی اپنے تحصیلدار کو لکھ بھیجا کہ "چاہے کسی کا قرضہ ادا ہو یا نہ ہو ان کے ترکے میں سے سرکاری رقم ضرور وصول کر لی جائے"۔

تحصیلدار نے امیر المومنین کے اس حکم کی قطعی کوئی پرواہ نہیں کی اور جیسے تھوڑا تھوڑا سب قرضداروں کو دیا گیا بحصہ رسد اتنا ہی سرکار کیلئے بھی وصول کیا۔ اور شاہی فرمان کے جواب میں یہ نوٹ لکھ کے بھیج دیا۔

"میں اس معاملے میں کسی قسم کی سختی یا جبر کرنے کو ہرگز تیار نہیں ہوں میرے نزدیک راعی اور رعیت سب برابر ہیں"۔

تحصیلدار کے اس نوٹ کو پڑھ کر خلیفہ منصور بہت خوش ہوا اور لکھ بھیجا کہ "اب ملک میں عدل و انصاف کی ایک اچھی مثال قائم ہو جاویگی"۔

۷۵، عدالتِ الٰہی میں اپیل

اسی خلیفہ کے زمانے میں کسی شخص کی جائداد پر غلط طریقہ سے سرکاری قبضہ ہوگیا تھا۔ اتفاق سے ایک دن اس کی خلیفہ کے دربار میں پہونچ

ہو گئی۔ موقع ملتے ہی کہنے لگا۔

"بچے کو چھٹ پنے میں جب کوئی بات ناگوار ہوتی ہے تو وہ اپنی ماں سے جا کے شکایت کرتا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ اتنے چھوٹے سے سن میں وہ ماں کے علاوہ اور کسی کو اپنا رفیق و ہمدرد جانتا ہی نہیں ہے لیکن جب وہ کچھ اور بڑا ہو جاتا ہے تو اسے ایسے موقعوں پر باپ دادا یاد آنے لگتے ہیں اور ان سے جا جا کے کہنے سننے لگتا ہے۔ اسی طرح جب آدمی اپنی پوری عقل و دانش کو پہونچ جاتا ہے تو پھر اس قسم کے معاملات حکام کے پاس لے جانے لگتا ہے۔ اور جب ان سے بھی اس کا مقصد پورا نہیں ہوتا تو اور آگے بڑھتا ہے یہانتک کہ وزیروں اور بادشاہوں سے داد خواہی شروع کر دیتا ہے۔ اور اگر یہاں سے بھی اس کا کام نہیں بنتا تو خدا کے سامنے جھک جاتا ہے اس سے دعائیں کرنے لگتا ہے"!

اتنی طول طویل تقریر کرتے ہوئے اس نے بتایا۔

"میری فلاں نمبر کی جائداد آپ کے کارندوں نے بغیر کسی وجہ اور سبب کے دبالی ہے اور میں ابتدائی عدالتوں سے لے کر ہائی کورٹ تک لڑتے لڑتے تھک گیا۔ مگر کہیں سے کامیابی کی صورت نہیں پیدا ہوئی۔ اب آج مجبور ہو کر آپ کی عدالت میں استغاثہ دائر کر رہا ہوں، اور یاد رکھئے کہ اگر آپ نے بھی انصاف سے کام نہ لیا تو اسی سال میرا ارادہ حج کو جانے کا ہے اور پھر

اُس سب سے بڑی عدالت پر جاکے اپنا اپیل دائر کر دوں گا۔"

منصور ٹکٹکی باندھے ہوئے اس کی سب باتیں سنے جارہا تھا۔

آخری فقروں پر بے ساختہ ہنس پڑا اور کہنے لگا۔

"نہیں نہیں بھائی! کہیں وہاں جاکے نہ شکایت کر دینا۔ میں تمہارا فیصلہ یہیں اور ابھی ابھی کرائے دیتا ہوں۔" اور اسی کے ساتھ حکم جاری کر دیا کہ اس کی جائداد فوراً چھوڑ دی جائے۔

٧٦، تبادلے کی درخواست

ایک دن خلیفہ مامون رشید سے کوفہ کے کچھ لوگوں نے آکر سرکاری افسر کے مظالم بیان کرتے ہوئے تبادلے کی خواہش کی۔

امیر المومنین کو اس درخواست پر بڑا تعجب ہوا کہنے لگے۔

اس سے اچھا انصاف پسند اور انتظامی معاملات کا ماہر تو آجتک کوئی میری نظر سے گذرا ہی نہیں۔"

یہ سنتے ہی ان ہی لوگوں میں سے کوئی بول اٹھا۔ ہمارے نزدیک تو سب سے زیادہ عادل اور رعیت کے معاملات کو سمجھنے والا اور بہتر بنانے والا تو آپ کا وجود گرامی ہے لیکن جیسا کہ امیر المومنین نے بیان کیا

اگر امر واقعہ یہی ہے تو ایسے آدمی کو بجائے کسی ایک جگہ پر مستقل کر دینے کے یہ زیادہ اچھا ہوتا کہ ساری قلمرو میں تھوڑے تھوڑے دنوں پہونچتا رہے تاکہ امیر المومنین کی جملہ رعایا برابر کا فیض اٹھا سکے۔ کم از کم اگر یہی اصول طے ہو جائے تو بھی ہمیں امید ہے کہ زندگی بھر میں ہمارا حصہ تین سال سے زیادہ جیسا کہ اب تک اس کو ہمارے یہاں رہتے ہوئے گذر چکا ہے ، نہ لگ سکے گا۔"

مقرر کے ان الفاظ پر امیر المومنین ہنسنے لگے اور فوراً اس حاکم کو وہاں سے تبدیل کر دیا۔

۷۷۔ ظالم ٹھیکہ دار کی داستان

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک مچھیرہ جس کی گذر بسر روزانہ مچھلیاں پکڑنے اور بازار میں فروخت کرنے پر تھی ایک دن اتفاق سے کوئی بڑی مچھلی اس کے جال میں آگئی اور اسے بازار میں لاکے بیٹھا ہی تھا کہ منڈی کا ٹھیکہ دار آگیا۔ اور دو چار ڈنڈے مار کر اس کی مچھلی چھین لے گیا۔ رات بھر وہ اور اس کے بچے یوں ہی فاقے سے پڑے ٹھیکہ دار کو کوسا کاٹا کئے۔

اب ادھر کا قصہ سنئے! ٹھیکہ دار نے جوں ہی مچھلی کو بھنوا کر کھانے کے لئے

ہاتھ بڑھایا ہے۔ مچھلی کے منھ کا نکیلا کانٹا اس کی انگلی میں اچانک گڑ گیا۔ اب گیا تھا۔ کھانا پینا سب بھول گیا۔ سر پکڑ کے بیٹھ گیا۔ اور آناً فاناً تکلیف میں اس قدر زیادتی ہوئی کہ طبیب کو بلانے کی ضرورت پیش آگئی۔ طبیب نے دیکھتے ہی فیصلہ کر دیا کہ "یہ کانٹا بڑا زہریلا ہے اور تیزی کے ساتھ زہر آگے کو بڑھتا جا رہا ہے اگر یہ اس کی انگلی فوراً نہ کاٹ دی گئی تو بہت جلد دوسری انگلیاں خراب ہو جاویں گی"۔

بہر حال طبیب کے کہنے سے اسی وقت اس کی یہ انگلی کاٹ دی گئی۔ مگر تکلیف کا یہ عالم تھا کہ کم ہونا تو درکنار بجلی کی طرح بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

مجبوراً دوسرا طبیب بلوایا گیا۔ اس نے بھی یہی بات بتلائی اور کہا کہ اب تو پورے ہاتھ پر زہر کا اثر ہوتا جا رہا ہے۔ اگر اسے جلد ہی نہ قلم کر دیا گیا تو پورے جسم کے سڑ جانے کا اندیشہ ہے۔

چنانچہ اسی وقت پورا پنجہ کلائی سے الگ کر دیا گیا۔ مگر تکلیف کا وہی حال تھا کہ جو آتا تھا کچھ نہ کچھ کاٹ جانے ہی کو بتا جاتا تھا۔

اسی عالم میں پورا ایک دن اور ایک رات بیت گئی۔ اس درمیان میں نہ تو اسے سونے کا موقع ملا اور نہ آرام کا۔

اچانک ایک دن اس پر کچھ غفلت سی طاری ہو گئی اور اس نے خواب میں کسی کو یہ کہتے ہوئے سن لیا کہ "ظالم! جب تک اس مظلوم مچھلی والے کو راضی

نہ کرے گا۔ تیرا سارا جسم اسی طرح کٹ کٹ کے گر جائیگا۔ یہ سب اسی کی بد دعاؤں کا نیتجہ ہے۔"

بس یہ سننا تھا کہ اس کی آنکھ کھل گئی اور اسی درد و کرب کے عالم میں گلی گلی اس مچھلی والے کو تلاش کرتا پھرا۔

دن بھر کی تگ و دو کے بعد ایک جگہ وہ مل گیا اس نے فوراً اس کے قدموں پر سر رکھدیا اور گڑگڑا کر معافی مانگتے اور نقد رقم نذر کرتے ہوئے رہائی حاصل کی۔

راوی کا بیان ہے کہ جوں ہی مچھلی والے نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے اس کی ساری تکلیفیں کافور ہو کے اڑ گیئں۔ اور چونکہ کئی دن کا تھکا ہوا تھا فوری طور پر آرام ملتے ہی وہیں پڑ کے سو گیا۔ بیدار ہوا تو دیکھا کہ اس کے وہ تمام اعضا جو کاٹ کر پھینک دیئے گئے تھے دوبارہ عنایت ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالے نے حضرت موسیٰ ؑ کو پورا یہ واقعہ سنانے کے بعد قسم کھا کر بتلایا ہے کہ "اگر وہ مچھلی والا اُس سے راضی نہ ہو جاتا تو وہ ہمارے اس عذاب سے چاہے مر ہی کیوں نہ جاتا قیامت تک نجات نہیں پا سکتا تھا۔"

۷۸، قاتل ملّاح کی سزایابی

ایک دن خلیفہ معتضد باللہ دوپہر کو کھانا کھا کر سویا ہی تھا کہ ایک دم

آنکھ کھل گئی۔ گھبرا گھبرا کر نوکروں کو آوازیں دینے لگا۔ لوگ دوڑ پڑے۔ مگر قبل اس کے کہ اس سے کچھ پوچھے اس نے خود ہی یہ حکم دیدیا کہ "فوراً گھاٹ پر چلے جاؤ اور اس طرف سے جو کشتی خالی آتی دکھائی دے اس کے ملّاح کو گرفتار کر کے لے آؤ۔

چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد ایک ملّاح پکڑ آیا۔ معتضد باللہ ملاح کی صورت دیکھتے ہی غصہ سے لال ہو گیا۔ اور چیخ چیخ کر کہنے لگا۔

"ملعون! جس مظلوم عورت کے خون میں آج تو نے اپنے ہاتھ رنگین کئے ہیں اس کا فوراً اقرار کر۔ ورنہ ابھی تیرا سر اڑا دوں گا"

کہنے والے کا بیان ہے کہ معتضد کی آواز اس وقت اتنی بھرائی ہوئی تھی کہ ہم لوگوں کو اس کے قلب کی حرکت بند ہو جانے کا خطرہ دامن گیر ہو گیا تھا۔ مگر چونکہ اصلی واقعے سے کوئی واقف تھا نہیں اس لئے سب دم بخود رہے تھے"

بہرحال ملّاح نے اقبال کیا اور بتایا۔

آج صبح فلاں گھاٹ سے ایک حسین و دولت مند عورت میری کشتی پر آ کے سوار ہوئی تھی۔ میں نے مال کی لالچ میں اُسے بیچ دھارے میں لا کر ڈبو دیا۔ اور جب آدمیوں کی چہل پہل کم ہو گئی۔ خوب سناٹا چھا گیا تو اس کے کپڑے اور زیورات وغیرہ اتار کے پار آیا ہی تھا کہ آپ کے یہ لوگ مجھے پکڑ لائے"

معتضد نے پوچھا کہ اس کی سب چیزیں کہاں ہیں؟ تو اس نے بتایا کہ

ابھی وہ سب چیزیں کشتی کے تہہ خانے ہی میں رکھی ہوئی ہیں"۔

چنانچہ اسی وقت وہ چیزیں بھی برآمد کر کے حاضر کر دی گئیں۔

معتضد نے اسی وقت اس مقدمہ کا فیصلہ بھی کر دیا اور وہ یہ تھا کہ مال تو مقتولہ کے وارثوں کو دلوا دیا جائے۔ اور ملاح کو زندہ رسیوں سے باندھ کر دریا میں پھنکوا دیا جائے"۔

سرکاری ڈھنڈورا پٹتے ہی عورت کا شوہر بھی آگیا اور اپنے مال پر قبضہ کرتے ہوئے امیر المومنین سے پوچھنے لگا۔

"سرکار! میں آپ پر صدقے جاؤں، آپ کو سوتے سوتے آخر یہ سارا ماجرا معلوم ہوا تو کیسے؟ کیا کوئی وحی وغیرہ آگئی تھی؟

امیر المومنین نے جواب دیا۔

"یہ کچھ نہیں ہوا، بلکہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ جیسے کوئی بہت بڑے بزرگ سفید براق سے کپڑے پہنے ہوئے آئے ہیں اور مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ اس ملاح کو جو ابھی ابھی کشتی کو کنارے لگا کے بھاگ جانا چاہتا ہے گرفتار کرا لو۔ اسنے ایک ایسی ایسی عورت کو ابھی ابھی ہلاک کر کے اس کا مال لوٹا ہے ان ہی بزرگ نے خواب میں مجھے ملاح کی صورت بھی دکھا دی تھی۔ اسی لئے میں اسے دیکھتے ہی پہچان بھی گیا۔ اور یقین کر لیا کہ میرا خواب بالکل سچا تھا"۔

۷۹۔ مصر کی پرانی تاریخ

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر پر جس فرعون* کی حکومت تھی اس کا نام ریّان بن مصعب تھا۔

ریّان کے وقت میں حکومت مصر کی سالانہ بجٹ ۴۲ کروڑ ۴ لاکھ اشرفی تھی۔ اسی سے وہ شہر کی آبادکاری، نہروں کی کھدائی، پلوں کی تیاری و مرمت وغیرہ بھی کرایا کرتا تھا۔ اور اسی سے ملک کے محتاجوں کی مستقل وغیر مستقل امدادیں، سرکاری ملازمین کی تنخواہیں، کاشتکاروں کے بسارے وغیرہ کا انتظام اور کھیتی باڑی کا ضروری سامان بھی فراہم کیا کرتا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ اس بادشاہ کے دل میں خدمت خلق کا جذبہ بہت تھا۔ ہر سال وہ اپنی جیب خاص سے بیواؤں اور یتیموں پر ۴ لاکھ اشرفیاں خرچ کیا کرتا تھا۔ ایسے ہی اُس نے اپنی قلمرو کے اندر بسنے والے کاہنوں اور تارک الدنیا درویشوں کی امداد کے لئے بھی دو لاکھ اشرفی سالانہ کا ایک مستقل بجٹ منظور کر رکھا تھا۔

---

* فرعون کسی شخص کا نام نہیں تھا بلکہ مصر کے ہر بادشاہ کو پرانی تاریخوں میں فرعون ہی کے لقب سے یاد کیا گیا ہے بعض لوگوں نے فرعون ہی کو عزیز مصر بھی لکھا ہے۔ ۱۲

اس کا حکم تھا کہ میرے ملک میں کوئی شخص ننگا اور بھوکا نہ رہے اور اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ محل کے اندر ننگوں، بھوکوں کی ہر وقت ایک بھیڑ سی لگی رہتی تھی ۔

مورخین کا بیان ہے کہ اس مد میں دو لاکھ اشرفی ہر سال اس کے یہاں خرچ ہوا کرتی تھیں۔ اور یہی رقم بڑھتے بڑھتے حضرت یوسف ع کے زمانے میں چودہ لاکھ تک پہونچ گئی تھی۔

مصری حکومت کا شمار اس وقت دنیا کی بڑی طاقتوں میں ہوتا تھا اس کا رقبۂ آبادی پرانے جغرافیہ میں چالیس میل لمبا اور چالیس میل چوڑا بتلایا گیا ہے اور چونکہ اس کے بیچ سے دریائے نیل بہہ رہا ہے اس لئے ہر قسم کے پھول و پھل وغیرہ بہت پیدا ہوتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ شاہانِ مصر نے اس شہر کو کچھ اس انداز سے بسایا تھا کہ دریائے نیل کی شاخیں شہر کے اندر بھی آگئی تھیں۔ اور دریا کے دونوں کناروں پر دور تک عمارتوں کا ایک لمبا سلسلہ نظر آتا تھا۔

اس دریا میں اُس وقت بھی مختلف مقامات پر بند بندھے ہوئے تھے جس سے وہاں کے باشندے جب چاہتے تھے پانی کو جاری کر لیتے تھے اور جب چاہتے تھے روک دیا کرتے تھے۔

یہ بادشاہ حضرت یوسف ع کے ہاتھ پر مشرف باسلام بھی ہو گیا تھا۔

۸۰، فرعون کے عوامی کام

حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں جب فرعون کی حکومت تھی اس کے وزیر اعظم کا نام ہامان تھا۔

مورخین کہتے ہیں کہ ہامان نے جب جدید پُل اور نہروں کی تعمیر چھیڑنے کا ارادہ کیا ہے تو آس پاس کے زمینداروں نے یہ خیال کر کے کہ شاید سامان تعمیر وغیرہ کی کمی کی وجہ سے ہمارے گاؤں میں شاخ نہ لائی جا سکے بہت کافی مقدار میں سونے اور چاندی کا ذخیرہ لاکے ڈھیر کر دیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ ہامان نے جب یہ ساری رقمیں فرعون کے سامنے پیش کی ہیں اور بتایا ہے کہ یہ آپ کی رعایا نے چندے کے طور پر دی ہیں تو وہ بگڑ گیا اور کہنے لگا۔

"بادشاہ کو تو خود اپنی رعایا پر داد و دہش کرنا چاہیئے، نہ کہ الٹا وہ کچھ اور اس سے لے لے۔"

خلاصہ یہ کہ زمینداران ملک کی آئی ہوئی یہ بے پناہ رقم جس میں رشوت یا ظلم کا کوئی شائبہ تک بھی نہ تھا اسی وقت اُس نے واپس کر دی۔

۸۱، قصۂ یوسف ع زلیخا ع

عزیزِ مصر کی وفات کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کی فرمانروائی عطا کی ہے تو سارا ملک ایک خوفناک کال میں گرفتار تھا اور اس انقلاب میں جو خاندان سب سے زیادہ تباہی کا شکار ہوا وہ سابق بادشاہی کا خاندان تھا۔

حضرت زلیخا ع جو کل تک عزیزِ مصر کی بی بی ہونے کی وجہ سے ملکۂ شہر کہی جاتی تھیں۔ شوہر کے مرتے ہی پیسے پیسے اور کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گئیں اور یہ بھی ایک اتفاق کی بات کہ دنیاوی عزت و ثروت کے ساتھ ان کی بینائی بھی رخصت ہو گئی۔

یہ وہی زلیخا ہیں جو حضرت یوسف ع پر جبکہ وہ ایک غلام کی حیثیت سے شاہی محل میں قید و بند کی زندگی گذار رہے تھے عاشق ہو گئیں تھیں۔ اب جبکہ اندھی اور بوڑھی ہو کر زمانے کی گردشوں کا شکار ہوئیں لوگوں نے انھیں آ آ کے یاد دلانا شروع کیا کہ اب تو خود تمہارا محبوب تاج گدی پر فروکش ہے۔ اگر تم اپنے مصائب کا ان سے جا کے تذکرہ کروگی تو وہ کچھ نہ کچھ تمہاری ضرور مدد کریں گے"۔

بادل ناخواستہ حضرت زلیخا بھی اس پر راضی ہو گئیں اور ایک دن عین اس

راستے پر جا کے بیٹھ گئیں جہاں سے حضرت یوسفؑ کی سواری ایک بڑے جلوس کے ساتھ گذرنے والی تھی۔

حضرت یوسفؑ جیسے ہی ان کے قریب پہونچے ہیں اور انہوں نے روکا ہے سواری سے اُتر کے تعجب کے ساتھ پوچھنے لگے۔

"تم کون ہو اور یہاں کس لئے آکر کھڑی ہوئی ہو؟

حضرت زلیخا نے جواب دیا" میں وہی عورت ہوں جو تمہاری غلامی اور قید و بند کے زمانے میں پروانہ وار نثار ہوتی تھی۔ اور ملکۂ وقت ہونے کے باوجود تمہاری خدمت کرنا، تمہیں نہلانا دھلانا، بنانا سنوارنا، اپنا فرض خیال کرتی تھی۔ اور سچ پوچھو تو میری ہی سعی و کوشش سے آج تم یہاں کے بادشاہ بنے بیٹھے ہو۔ اور خود میرا یہ حال ہے کہ اندھی بڑھیا ہو کر دنیا بھر کے سامنے ہاتھ پھیلاتی پھر رہی ہوں"

حضرت زلیخا کی اس تقریر سے حضرت یوسفؑ کو بھی پرانے واقعات سب یاد آگئے، رو کے پوچھنے لگے۔

زلیخا سچ بتانا کیا اب بھی تمہارے دل میں میری محبت کی کوئی خلش باقی ہے؟

اس پر حضرت زلیخا نے قسم کھا کر کہا" تمہارا ایک نظر دیدار کر لینا اب بھی میرے نزدیک روئے زمین کی دولت سے زیادہ عزیز و محبوب ہے"

اس گفتگو کے بعد حضرت یوسف ؑ نے محل واپس آکر انھیں نکاح کا پیغام بھیجدیا۔

جو آدمی یہ پیغام لے کر گیا تھا۔ حضرت زلیخا اس سے کہنے لگیں "یوسف نے شاید میرے ساتھ مذاق کیا ہے۔ وہ مجھ پر اس وقت جبکہ میں جوانی اور خوبصورتی کے ساتھ ملک کی رانی بھی تھی۔ ایک آنکھ ڈالنا بھی گوارا نہیں کیا تھا تو اب بوڑھی اور اندھی فقیرنی ہوجانے کی صورت میں کیسے قبول کرنے کو تیار ہوسکتے ہیں۔

غرض حضرت زلیخاؑ کے ساتھ ان کا اسی وقت نکاح ہوگیا۔ اور خدا نے انکی دعا کی برکت سے ان کی آنکھیں اور حسن وجوانی سب دوبارہ عطا کردی۔

حضرت یوسف ؑ کے فرزند افرائیمؑ اور منشاؑ جن سے ان کی نسل چلی اِن ہی حضرت زلیخاؑ کے بطن سے پیدا ہوئے۔

۸۲، روپیہ کی دو تھیلیاں

ایک مرتبہ حضرت ابوسفیان رضؓ اپنے صاحبزادے حضرت معاویہ رضؓ کے کے پاس سے جبکہ دمشق کی گورنری پر مامور تھے لوٹ کر مدینہ منوّرہ پہونچے

ہی تھے کہ کسی مخبر نے فاروق اعظمؓ کو یہ خبر پہونچادی کہ حضرت ابو سفیانؓ دمشق سے دو تھیلی بھر کر روپیہ لائے ہیں۔

اور اتفاق کی بات کہ اسی وقت حضرت ابوسفیانؓ بھی فاروق اعظمؓ سے ملنے آگئے۔ آپ نے باتوں باتوں میں یہ بھی پوچھ لیا۔

"کہو! دمشق سے تو خوب بھرے پُرے آئے ہوگے؟ مگر انہوں نے اس کا اقرار نہیں کیا۔

آپ نے ان کے انکار پر اُنھیں تو وہیں کسی بہانے سے روک لیا اور خود ان ہی کی طرف سے انکی بی بی کے نام اس مضمون کا پرچہ لکھا کہ:-

"دمشق سے جو دو تھیلیاں روپیہ کی لایا ہوں وہ حامل ہٰذا کے ہاتھ فوراً بھیجدو" بی بی صاحبہ نے ان کے نام سے پرچہ کی عبارت پڑھتے ہی دونوں تھیلیاں اس آدمی کو دیدیں۔

جب دونوں تھیلیاں کھولی گئیں اور گنا گیا تو دس ہزار روپیہ نکلا۔

حضرت ابوسفیانؓ بڑے شرمندہ ہوئے مگر امیر المومنین نے ان سے اور کچھ تعرض تو نہیں کیا، صرف رقم کو بحق سرکار ضبط کرکے داخل خزانہ (بیت المال) کر دیا۔

یہ روپیہ ان ہی تھیلیوں میں بند بیت المال کے اندر حضرت عثمانؓ کے زمانے تک پڑا رہا۔

حضرت عثمانؓ نے ایک دفعہ حضرت معاویہؓ سے جبکہ انھیں کچھ ضرورت بھی دامن گیر تھی یہ کہا بھی کہ "اگر کہو تو وہ تمہاری رقم نکلوا دوں" مگر آپ نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ جس رقم کو فاروق اعظمؓ عیب لگا کر ضبط کر گئے ہوں مجھے اس کا واپس لے لینا کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

۸۳۔ بے پناہ چشم پوشی

ایک مرتبہ جعفر بن سلیمان کے خزانے سے کسی مصاحب نے ایک قیمتی موتی چرا لیا۔ مگر یہ عیب ہی صرفے میں اسے بیچنے گیا تو جوہریوں نے پہچان لیا کہ یہ تو فلاں شخص کا ہے۔ اور اتنا زمانہ ہوا کہ وہ اسی بازار سے اتنے داموں میں خرید لے گئے تھے۔

جوہریوں نے اسی وقت اس آدمی کو پولیس کے حوالے کر دیا مقدمہ چلا، جعفر بن سلیمان بھی شناخت کے لئے طلب کئے گئے۔ وہ چور انھیں آتا دیکھ کر شرم سے پسینے پسینے ہو گیا۔ اور وہ بھی تاڑ گئے کہ یہ بے چارہ مارے غیرت کے زمین میں گڑا جا رہا ہے۔ آپ نے فوراً عالی ظرفی اور شرافت کا ثبوت دیا خود اسی سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

ارے یہ تو وہی موتی ہے جسے تم اس دن مجھ سے مانگ کر لائے تھے

اور میں نے تمہیں بالکل ہبہ کر دیا تھا۔

ان جملوں کے ساتھ جوہریوں سے بولے۔

"تم لوگوں نے خواہ مخواہ اسے گرفتار کر کے خوف زدہ اور ذلیل کر دیا؟ اس کو خرید لو اور اس کے دام اسے دیدو۔"

۸۴، غلاموں کا جواب

حضرت علی مرتضیٰ رضؓ نے ایک مرتبہ اپنے غلام کو آواز دی، مگر اس نے پلٹ کر جواب بھی نہیں دیا۔ آپ نے پھر پکارا، وہ اس پر بھی کچھ نہیں بولا۔ تیسری مرتبہ بھی جب ایسا ہی ہوا تو آپ اُٹھ کے خود اس کے قریب جا پہونچے۔ دیکھا کہ غلام صاحب بڑے مزے سے آنکھیں کھولے چت پڑے ہوئے آہستہ آہستہ اپنا پیٹ سہلا رہے ہیں۔

انھیں غلام کی اس کاہلی اور عدول حکمی پر بڑا غصہ آیا اور سمجھ گئے کہ یہ جان بوجھ کر گریز کر رہا تھا!

آپ نے اُس سے جواب طلب کیا تو کہنے لگا۔

"آقا میں نے ہر دفعہ آپ کی آواز کو سُنا، مگر یہ خیال کر کے کہ آپ سزا وغیرہ تو دیں گے نہیں اپنی کاہلی کی وجہ سے یوں ہی پڑا رہا۔"

غلام کے اس جواب کو سن کر بجائے اس کے کہ آپ کو کچھ اور غصہ آتا۔ اس کی حاضر جوابی اور صداقت کے صلے میں آپ نے اسی وقت آزاد کر دیا۔ اور کہہ دیا کہ جاؤ! اب اچھی طرح آرام کر لو"

۸۵، عالی ظرفی کی حد

ایک دن خلیفہ مامون نے اپنے غلاموں کا نام لے لے کر کئی مرتبہ پکارا مگر کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

آخری آواز پر ایک ترکی غلام جل بھن کر یہ کہتا ہوا دوڑا،

"غلام بے چاروں کی زندگی ہی کیا؟ کھانا کھالیں تو پانی حلق کے نیچے نہیں اترنے دیا جاتا"

اور پھر خلیفہ کے قریب آ کے بولا۔

"آپ کی اب عادت ہی یہ پڑ گئی ہے کہ اِدھر ہم لوگ ہٹے، اور اُدھر آپ نے آواز دی"

غلام کی اس صاف گوئی پر خلیفہ نے اپنا سر نیچا کر لیا۔ پورے دربار کو یقین تھا کہ اب غلام کی جان بچنا مشکل ہے اور امیر المومنین سر اٹھاتے ہی اس کی گردن اُڑا دینے کا حکم صادر کر دیں گے۔ مگر خلاف توقع امیر المومنین نے

کسی قسم کے غصے کا بھی اظہار نہیں کیا، بلکہ کہنے لگے۔

"ہاں! ہاں!! سچ ہے، جب کسی آقا کے اخلاق اچھے ہو جاتے ہیں تو اس کے غلاموں اور نوکروں کے اخلاق کا بگڑ جانا ضروری ہے"

۸۶۔ کسر نفسی

حضرت ابو عثمان ہارونی رح ایک دن دوپہر کے وقت اپنے شاگردوں اور مریدوں کے ساتھ کسی بازار سے گذر رہے تھے اتفاقاً اسی وقت کسی شخص نے راکھ کا بھرا ہوا کونڈہ سڑک پر پھینک دیا اور وہ سب آپ ہی کے سر پر آ پڑا۔

شاگرد اور مرید بگڑ گئے قریب تھا کہ شدید کشت و خون ہو جائے مگر آپ نے فوراً ہی یہ کہہ کر سب کو خاموش کر دیا۔

"تم لوگ اس غریب کے پیچھے ناحق پڑ گئے۔ اس نے کوئی دیکھکر تھوڑے پھینکا تھا۔ اس کے علاوہ میرے نزدیک دوزخ کی آگ سے آج کی یہ راکھ ہزار گونہ بہتر ہے"

اس تقریر کے ساتھ آپ نے حضرت ابراہیم ادھم رح کے متعلق یہ نقل کیا کہ "آپ سے کسی نے پوچھا تھا کہ دنیا میں کبھی آپ کو کسی بات میں مزہ اور

دلچسپی بھی حاصل ہوئی ہے؟ تو آپ نے جواب دیا تھا کہ ہاں! پوری زندگی میں صرف دو بار اس قسم کا اتفاق پیش آیا ہے۔ ایک بار تو اُس وقت جب کہ قصداً ایک آدمی نے مجھ پر پیشاب کر دیا تھا۔ اور ایک بار اس وقت جبکہ لوگ مجھ پر خواہ مخواہ مارنے کو پل پڑے تھے۔"

یہیں تک آپ بولنے پائے تھے کہ آپ کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

۸۷۔ بے حقیقت قرضے کا اقرار

حضرت عبیداللہ بن عباس رض بڑھاپے میں اندھے ہو جانے کے بعد اپنے گھر کے آنگن میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آپ سے آکے کہنے لگا۔

"میرا کچھ قرضہ آپ کے اُوپر ہے اس وقت اگر آپ اُسے دیتے تو میرا بڑا کام نکل جاتا۔ میں آج کل پریشانیوں میں بہت گھرا ہوا ہوں۔"

آپ نے تعجب سے پوچھا: "میں اور تمہارا قرضدار ہوں؟ اس نے جواب دیا: "ہاں! آپ، اور میرے قرضدار ہیں! اور پھر اُس نے اُس کی تفصیل یہ بیان کی کہ:-

"ایک دن دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں آپ زمزم کے کنوئیں پر پانی

پینے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ غلام پانی بھرنے لگا اور آپ گرمی کی شدت سے
بلبلائے جارہے تھے تو میں نے اپنی چادر سے آپ کے اوپر سایہ کر لیا تھا۔"
یہ الفاظ سنتے ہی آپ سمجھ گئے کہ یہ شخص ضرور تمند ہے اور غیرت و شرافت
کی بنا پر سوال کرنے سے گریز کر رہا ہے لہٰذا آپ نے اس کے قرضے کا فوراً
اقرار کر لیا، اور کہنے لگے۔

"ہاں! ہاں!! اب مجھے تمام باتیں یاد آگئیں، اور اسی وقت غلام کو
بلوا کر تحویل دریافت کی۔ اس نے بتایا کہ اس وقت صرف دو سو اشرفیاں
موجود ہیں۔ کہنے لگے۔ اچھا! یہ سب اس آدمی کو دیدو۔" اور پھر بانداز معذرت
بولے۔

"اگرچہ تمہارے قرضے کے مقابلے پر یہ رقم حقیر ہی ہے مگر میں مجبور ہوں
کہ اس وقت میرے پاس اس سے زیادہ ہے بھی نہیں۔"

۸۸، دبے حقوق کی واپسی

حضرت عمر بن عبدالعزیز رح نے خلیفہ بنتے ہی سب سے پہلے گذشتہ خلفاء کے
مظالم اور چھینے ہوئے حقوق اصل مستحقین کو واپس کرنے کی طرف توجہ فرمائی
اور اس کا آغاز بھی اپنے ہی کنبے سے کیا۔

آپ کی اس کارروائی سے پورا خاندان چیخ اٹھا۔ لیکن چونکہ آپ خلیفہ تھے ہر قسم کی طاقت حاصل تھی۔ اس لئے کچھ اور نہیں کر سکے تو سب مل کر آپ کی پھوپھی صاحبہ کے پاس جن کا آپ بڑا احترام کیا کرتے تھے پہنچ گئے اور انھیں سمجھا بجھا کر آپ کے پاس بھیجا۔

چنانچہ پھوپھی صاحبہ نے بھی آکر گفتگو کی، وہ بے چاری ابھی بات بھی پوری نہیں کر پائی تھیں کہ آپ بیچ ہی میں بول اٹھے۔

"اے پھوپھی سنئے! آنحضرتؐ نے اس دنیا میں تشریف لا کر ایک پاکیزہ راستے سے اہلِ عالم کو روشناس کرایا اور جبتک آپ زندہ رہے اسی راستے پر چلتے رہے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے خلفاء و اصحاب اسی ڈگر پر چلا کئے۔ لیکن حضرت معاویہؓ کے وقت میں بعض لوگوں نے کچھ ایسی کج روی اختیار کی کہ آہستہ آہستہ وہ صاف و روشن راستہ ہی اب لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوتا جارہا ہے۔ خدا کی قسم اگر میری عمر نے وفا کی تو میں ایک مرتبہ پھر سب لوگوں کو اسی راستے پر لگا کے چھوڑوں گا۔"

پھوپھی امیرالمومنین کی باتیں سن کر کہنے لگیں۔

"تمہارا خیال ہے تو بڑا عمدہ مگر مجھے اس سے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں خدانخواستہ اس کی وجہ سے تمہیں کوئی گزند نہ پہونچ جائے۔"

پھوپھی کے اس اظہار خطرہ پر بھی آپ نے کوئی اثر نہیں لیا اور یہ

کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے

"پھوپھی! کل قیامت کے دن دہشت ناک عذاب کے مقابلے پر جوان مظالم پر خاموشی کی وجہ سے مجھ پر نازل ہونے والا ہے۔ آج کی گزند کا اٹھا لینا مجھے بخوشی منظور ہے"

۸۹، جھوٹی دعوت

خلفائے عباسیہ کے زمانے میں عثمان حیری رح ایک بہت بڑے عالم اور بزرگ قسم کے آدمی تھے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک دن کوئی شاگرد آپ سے شام کی دعوت کہہ گیا لیکن جب آپ اس کے گھر گئے تو وہ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ معافی چاہتے ہوئے کہنے لگا۔ کہ ابھی تک کچھ بندوبست نہیں کر سکا ہوں۔ عثمان واپس چلے آئے تھوڑی دیر کے بعد پھر دوڑا ہوا آیا۔ اور کہنے لگا۔ اب چلئے! سب انتظام مکمل ہو گیا ہے" یہ پھر گئے، اور پھر وہی صورت پیش آئی۔

غرض اسی طرح تین چکر ہو گئے کہ وہ آپ کو خوشامد کر کے لے جاتا، اور معذرت کر کے واپس کر دیتا۔

چوتھی مرتبہ وہ پیروں پر گر گیا اور رو رو کے کہنے لگا۔

"حضور! اللہ کا دیا سب کچھ موجود تھا مگر اتنی مرتبہ قصداً جو میں نے آپ کے صبر وضبط کو آزمایا اس کی معافی چاہتا ہوں۔ واقعی آپ نہایت بے نفس اور خدا کے مقدس ترین بندے ہیں۔"

شاگرد کی زبان سے یہ الفاظ سنتے ہی بجائے اس کے کہ کچھ خوش ہوتے، بگڑ گئے اور بولے۔

جب تو نہیں! مگر اب ضرور ذلیل کر رہے ہو؟ بھلا ایسی بات کی تعریف ہی کیا جس میں انسان اور کُتے دونوں برابر ہیں۔ کُتے کی بھی تو یہی عادت ہوتی ہے کہ روٹی کی آواز دو تو آجاتا ہے۔ دیدو تو سبحان اللہ! جھڑک دو تو دُم ہلاتا ہوا چپ چاپ ایک کنارے جا بیٹھتا ہے۔ تم نے اگر مجھے بُلا کر نہیں کھلایا اور میں اس پر خفا بھی نہیں ہوا تو اس میں میری کیا کرامت ہوئی۔ کتا ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا؟۔

۹۰۔ ہر چیز کا آدھا

اموی دور حکومت میں ایک دفعہ حضرت حسینؓ کا سالانہ وظیفہ کسی وجہ سے روکدیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اُن کے یہاں بڑی عسرت اور تنگدستی سے دن کٹ رہے تھے خدام میں سے کسی نے کہدیا کہ "اگر اس وقت آپ اپنے چچا عبید اللہ بن عباسؓ

کو یہ حالت لکھکر بھیجدیں تو وہی آپ کو اچھا خاصا دیدینگے اور اتفاق سے آج کل
ان کے یہاں سرکار سے بہت بڑی رقم آئی بھی ہوئی ہے"۔ آپ نے جواب دیدیا کہ
" وہ تو سخاوت میں ہوا سے زیادہ تیز ہیں بھلا ابتک رکھی رہ گئی ہو گی"؟
مگر لوگ کہتے ہی رہے اور مجبور ہوکر آپ نے انھیں صورتحال لکھکر کچھ منگوا بھیجا۔
کہا جاتا ہے کہ حضرت عبید اللہ رضؓ انکا خط پڑھتے ہی بے چین ہو گئے۔ بیساختہ
آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس کے بعد خزانچی کو بلا کر حکم دیا کہ ہمارے یہاں جس
قدر بھی اشیا موجود ہوں سب کا آدھا آدھا حسین رضؓ کے یہاں ابھی بھیجدو"۔
اور خط کے جواب میں لکھ بھیجا کہ "میں نے اپنے ہر مال کا آدھا تمہیں روانہ
کر دیا ہے اگر اس سے بھی ضرورت نہ پوری ہوتی ہو تو مجھے مطلع کر دینا میں بقیہ
آدھا بھی بھیجدوں گا"۔
حضرت حسین رضؓ حضرت عبید اللہ رضؓ کی اس سخاوت پر بہت دنوں
تک نادم رہے اور تعجب کیا کئے۔

تمام شد

ہماری مقبول عام کتابیں

کتاب	قیمت
تاج بہشتی زیور مکمل مدلل محشی مجلد ہاف چرمی پشتہ	۱۵/۰
تاج بہشتی زیور مکمل مدلل محشی مجلد پارچہ	۱۳/۰
تاج بہشتی زیور مکمل مدلل بلا جلد	۱۲/۵۰
حیات سرورِ کائنات مکمل جلد اوّل	۴/۲۵
حیات سرورِ کائنات مکمل جلد دوم	۳/۵۰
قرآن اور عورت مجلد	[illegible]/۰
دربارِ رسالت کے فرمان	۴۰ نئے پیسے
شرعی نماز مجلد	۱/۰
اسلامی تاریخی کہانیاں	۲/۰
نصائح زرّیں	۴۰ نئے پیسے
شاہنامہ اسلام مکمل (چار جلد)	۸/۰
سیرت فخرِ دو عالم مجلد	۴/۰
کامیاب فالنامہ معہ خواب نامہ	۱/۰
نشر الطیب (آفسٹ پرنٹنگ)	۴/۰
مجموعہ اوراد وظائف (آفسٹ پر رنگین طباعت)	۲/۵۰

ان کے علاوہ ہر قسم کی مذہبی، اصلاحی، ادبی، اسلامی، تاریخی کتابیں قرآن شریف سی پارے، پنجسورے اور نماز کی کتابیں اس پتہ سے طلب فرمائیے

مکتبہ دینیات آصف علی روڈ نئی دہلی